https://ataunnabi.blogspot.com/

النَّاسُ مَيِّتٌ وَاَهْلُ الْعِلْمِ اَحْيَاءٌ

(عوام مُردہ اور عُلماء زندہ ہیں)

تذکرہ عُلماء امرتسر

مُصنّف

محققِ عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نوراللہ مرقدہٗ

۱۹۲۷ء — ۱۹۹۹ء

ترتیب

محمد کاشف رضا

والضحیٰ پبلی کیشنز

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اَلنَّاسُ مَیِّتٌ وَّاَھْلُ الْعِلْمِ اَحْیَاءٌ۔

عوام مردہ اور علماء زندہ ہیں۔

تذکرہ علماءِ امرتسر

مصنّف

محقّقِ عصر حضرت حکیم محمّد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ

۱۹۲۷ء ——— ۱۹۹۹ء

تحقیق و ترتیب

محمّد کاشف رضا

والضحیٰ پبلی کیشنز

داتا دربار مارکیٹ، لاہور 0300-7259263

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جملہ حقوق محفوظ ہیں

129525

کتاب — تذکرۂ علماءِ امرتسر
مصنف — محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرت سری رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب وتدوین — محمد کاشف رضا
لیگل ایڈوائزر — محمد صدیق الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
تصحیح — محمد رضاء الحسن قادری، دارُالاسلام، لاہور
تاریخ اِشاعت — محرم 1433ھ/نومبر 2012ء
تعداد — 1100
قیمت — 240روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ فیضانِ مدینہ؛ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد 0312-6561574،0346-6021452

مکتبہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز؛ فیصل آباد، لاہور
دار الاسلام؛ اُردو بازار، لاہور
مکتبہ بہارِ شریعت؛ دربار مارکیٹ، لاہور
مکتبہ شمس وقمر، بھاٹی چوک، لاہور
مکتبہ غوثیہ ہول سیل، کراچی
رضا بک شاپ، گجرات
اسلامک بُک کارپوریشن، راول پنڈی
مکتبہ زین العابدین، لاہور
مکتبہ قادریہ؛ لاہور، گجرات، کراچی، گوجراں والا
مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد، لاہور، خانیوال
مکتبہ امام احمد رضا، لاہور، راول پنڈی
نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور
ہجویری بک شاپ؛ گنج بخش روڈ، لاہور
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی
احمد بک کارپوریشن راولپنڈی
علامہ فضل حق پبلی کیشنز، لاہور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امرتسر کے عظیم فرزند

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن مرحوم

(۴/مارچ ۱۹۰۴ء-۱۹/اگست ۱۹۹۹ء)

کے نام

کاشف رضا

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی لاہور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فہرست

چھوٹا منہ بڑی بات	9
حکیم صاحب اربابِ علم کی نظر میں	14
شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن	14
مولانا عبدالحکیم شرف قادری	15
مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی	17
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	18
پروفیسر محمد اقبال مجددی	19
راجا رشید محمود	19
علامہ محمد سید فاروق القادری	22
ڈاکٹر ساجدہ اے علوی	22
مشفق خواجہ (کراچی)	23
سید سبط الحسن ضیغم	23
مولانا غلام رسول قصوری ثم امرت سری	
ابتدائی حالات	25
قاضی امرت سر	26
مدرس سرکاری سکول	26
مجموعہ فتاویٰ	26
مسلک ومشرب	28
بھائی سے سلوک	28
اطاعت والدین	29
تعمیر مکان	29
پیش گوئی رحلت	29
ایک غلطی کا ازالہ	30
قطعہ تاریخ وفات	30
اولاد	31
مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوری ثم امرتسری	
ابتدائی حالات	35
امرت سر روانگی	36
قاضی شہر	36
آغاز کار	37
الگ مسجد	38
غلام علیؒ سے غلام العلی	39
مولانا عبداللہ غزنوی	40
بحث اور اخلاص	41
درس وتدریس	42
مدرسہ تائید الاسلام	43
حج	43
تصانیف	43
تلامذہ	49
جرأت رجوع	51

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مرزا صاحب کے متعلق پیش گوئی	52
جناب عرشی کے مضمون سے استفادہ	52
سجدۂ آدمؑ	52
دو منبر	53
اولاد	54
وفات	54
مدفن	55
قطعات تاریخ وفات	55
مآخذ	56

حضرت مولانا مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری

امرتسر واپسی	59
علمی خدمات	59
روایتِ حسن	60
علم کا احترام	60
فتویٰ نویسی	61
ایک اہم رائے	61
خطابت	61
مولانا عبدالحی کی سند	61
بیعت	62
تصانیف	62
علمی اداروں کی سرپرستی	64
ندوہ سے علیحدگی	64
مسلک	64
حلیہ ولباس	65
وفات	65
خبر رحلت	66
نمازِ جنازہ	67
کرامت	67
آخری آرام گاہ	68
قطعات تاریخ وفات	68
اولاد	69
مآخذ مضمون	69

مولانا غلام اللہ قصوری امرتسری

فرید کوٹ میں	70
لاہور میں آمد	71
تاسیس انجمن حمایت اسلام	71
مدرسہ حمیدیہ کا اجراء	72
صدر مدرس مدرسہ رحیمیہ	73
امرتسر روانگی	74
اعتدال پسندی	75
رسالہ "الواعظ" کا اجراء	75
فیروز پور روانگی	75
پروفیسر چیفس کالج	76
مسلک ومشرب	76
بیعت	76
تصانیف	77
وفات	78
قطعہ تاریخ	78
شکریہ	79

حضرت مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ارشاد مجدد رحمۃ اللہ علیہ	80
آہ امرتسر!	81
مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ	82
ابتدائی حالات	82
اساتذہ	82
سفر حجاز	83
مدرس مدرسہ صولتیہ	84
شیخ العرب والعجم سے بیعت	84
زمانہ قیام حجاز کے واقعات	84
غرباء پر حج فرض نہ ہونے کی وجہ	84
مولانا سے پیش آمدہ واقعہ	86
دس پاروں کی تلاوت	87
بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ	87
واپسی ہند	88
مدرسہ باقیات الصالحات	88
امرتسر میں آمد	89
مدرسہ نعمانیہ امرتسر	90
انجمن نعمانیہ	91
تلامذہ	92
مدرسہ تجوید القرآن	94
انجمن حفظ المسلمین	95
مولانا کا مقام علم وعمل	96
شاہ ابوالخیر دہلوی کی بیعت وخلافت	99
شاہ ابوالخیر کا ایک واقعہ	100
مولانا کو تین بار زیارت ہوئی	102
شرف زیارت کے حصول کا نسخہ	102
مولانا سے صلحاء واولیاء کے تعلقات	103
حضرت شرق پوری کا ایک سائل کو فرمان	105
کسر نفسی	106
مسلک	106
عود الی المقصود	107
آپ کا ایک شعر	107
تراجم وتوالیف	109
خصائل وعادات	113
حلیہ ولباس	116
بحث ومناظرہ سے احتراز	117
خوف وخشیتِ الٰہی	118
حزم واحتیاط	119
توکل واستغنا	120
اُمرا سے بے نیازی	121
حق گوئی کا ایک واقعہ	122
دعوتِ علماء	123
تاثیر الفاظ	124
تاثیر دعا	126
عجیب اتفاق	127
خاص بات	128
اقوال وارشادات	130
ماہنامہ "الفیض"	131
مسجد نور	131

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت سید انور شاہ کا مسجد نور کے لیے چندہ 133
تردید قادیانیت 134
اولاد 134
وفات کی پیش گوئی 135
سفر آخرت 138
نماز جنازہ 141
آخری آرام گاہ 141
قطعات تاریخ 141
ختم کلمہ طیبہ 144
مزید معلومات 144
ایک تصحیح 145
شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ 146
ایک بزرگ کا خط 147
شکریہ 149

حضرت سید برکت علی امرتسری

تعارف خاندان 150
ابتدائی حالات 152
شجرۂ نسب 152
بیعت 153
حلیہ ولباس 155
خوراک 155
ذریعہ معاش 156
اخلاق وعادات 157
شفقت علی الخلق 159
کمال انسانیت 161
آپ کی زندگی کا ایک خاص واقعہ 163
خاص بات 164
وعظ وتبلیغ 165
شاعری 165
کرامات 167
سفر آخرت 168
قطعات تاریخ وفات حسرت آیات 169
آپ کا خلیفہ 170
سالانہ عرس 171
آپ کی قبر کھودی گئی 172
قبریں کھودنا ہندوؤں کی پرانی رسم ہے 174

مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی امرتسری

مولانا مفتی عبدالرحمن امرتسری

مدرسہ نعمانیہ لاہور میں 180
مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں 181
دیوبند میں 181
تدریس کا آغاز 182
مدرس ومفتی مدرسہ نعمانیہ 182
بیعت 181
ایک خاص رائے 181
اخلاقِ حسنہ 184
اقوال وملفوظات 186
تلامذہ 188
اولاد 189

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دین سے عقیدت 189
تصانیف 190
سجدۂ تعظیمی 190
رحلت 191

حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری

مولانا غلام محمد ترنم 194
ابتدائی حالات 194
خطیب و مبلغ 196
خصوصیات خطابت 197
ذریعہ معاش 199
ملکی و مسلکی خدمات 199
لاہور میں آمد 202
خطیب جامعہ سول سیکرٹریٹ 202
حق گوئی و بے باکی 204
نائب صدر جمعیت العلماء پاکستان 206
جہاد کشمیر 206
فراست ایمانی اور دستورِ اسلامی 207
جیل میں 211
فیلو پنجاب یونیورسٹی و رکن بورڈ آف سنڈیکیٹ 211
بیعت 211
اخلاق و عادات 211
تصانیف 213
ذوقِ سخن 215
سفرِ آخرت 216
قابلِ رشک جلوس جنازہ 217
آخری آرام گاہ 217
جذباتِ عزیز 218
تعزیتی اجلاس 219
تواریخِ وفات 221
بحرِ خطابت 223
التماس 226
نغماتِ ترنم 227

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چھوٹا منہ بڑی بات

محمد کاشف رضا

16 سال میری عمر ہوگی اور فکری دریچے ابھی پوری طرح وا بھی نہیں ہوئے تھے، علم کی جستجو، دانش کی تلاش مجھے 1992ء میں جناب حکیم محمد موسیٰ امرت سری کے مطب پر لے گئی، پہلا موقع تھا کہ مجھے اس دانش کدے کے ماحول نے دم بخود کر دیا۔ حکیم موسیٰ صاحب کے کشادہ دل نے مجھے بھی 'خوش آمدید' کہا کہ میرا حکیم صاحب کے ہاں آنا جانا لگ گیا۔ حکیم صاحب خلوص و وفا کی ایسی علامت تھے جو خود نمائی اور خبطِ عظمت کی لعنت سے آزاد، قلندر مزاج، مرد دانا اور حیرت انگیز حد تک عالی ظرف واقع ہوئے تھے۔ طبابت اُن کا پیشہ اور مطب علم و حکمت کا مرکز بن کر جگمگا رہا تھا۔ کون سا علم کا شعبہ اور دانش کے کون سے گوشے تھے جو وہاں بے نقاب نہ ہوتے۔ اس علم پرور فضا میں نت نئے علمی نکات زیر بحث آتے۔ فکر و فن کے جہاں دیدہ لوگ وہاں بے زباں ہوتے دیکھے۔ دانش برہانی چٹکیاں لیتی اور دانش نورانی بازی لے جاتی۔ نرم دم گفتگو حکیم صاحب فکری اعتبار سے گرم دم جستجو تھے۔ علماء، مشائخ، ادباء، شعراء، مؤرخین، محققین، مترجمین اور اہلِ صحافت اس مردِ قلندر کے ہاں حاضر ہوتے تو ریلوے روڈ کا یہ مطب بغداد و شیراز، سمرقند و نیشاپور کی علمی مجالس کا منظر پیش کرتا جو ہم تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ حکیم صاحب میرِ مجلس ہوتے اور لوگوں سے ان کے مقام و مرتبے کے مطابق کلام کرتے۔ ساتھ ساتھ وہ جسمانی مریضوں کو بھی دیکھتے جاتے، کتنا حیران کن اور فیض بخش مطب تھا کہ لوگ علمی پیاس بجھانے دور و نزدیک سے کھنچے چلے آتے، وہ بھی جو حکیم صاحب کے ہم عقیدہ ہوتے وہ بھی جوان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے فکری مخالف۔

حکیم صاحب نے اپنے گہرے مطالعے اور مشاہدے کے بعد یہ محسوس کیا کہ برصغیر پاک و ہند کے عظیم محدث و مجدد امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات و افکار سے جدید پڑھا لکھا طبقہ نہ صرف ناواقف ہے بل کہ متعصب اور تنگ نظر "مولویوں" نے ان کی بلند شخصیت پر سخت گیر، بدعتی، انگریز کا ایجنٹ، تکفیر میں جلد باز جیسے "جھوٹوں" اور الزامات کا گرد و غبار ڈال رکھا ہے۔ حکیم صاحب نے 1968ء میں تاریخ کو عقیدہ اور شخصیت پرستی کو تاریخ سمجھنے والوں کے خلاف علمی و قلمی جہاد کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصدِ عظیم کے لیے انہوں نے "مرکزی مجلسِ رضا" قائم کی۔ جہاں سے لاکھوں کی تعداد میں لٹریچر چھپ کر فری تقسیم ہوا۔ گرد آلود ذہن صاف اور جھوٹ کے بندے منہ چھپانے لگے۔ حکیم صاحب نے اپنا علمی ذخیرہ کتب جو کئی ہزار کتب پر مشتمل تھا پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری کو دے دیا۔ [1] یہ ایثارِ علمی بڑے دل گردے کا کام تھا جو حکیم صاحب جیسی شخصیت سے ہی متوقع تھا۔ انہوں نے اپنا جانشین کسی کو بنایا نہ ہی علمی وارث، تمام اہلِ محبت اور دردمند دل ان کے جانشین و وارث ہیں۔

حکیم صاحب نے اس زمانے میں لفظِ رضا (زیر کے ساتھ یا زبر کے ساتھ) مجھ سے لکھوایا تو میں نے اظہارِ محرومی علم کیا تو فرمایا "تم لکھو میں دیکھ لوں گا" پھر اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح فرمائی اور ایک ماہنامے میں اُسے خود شائع بھی کروایا، دیکھئے ایسے عالی دماغ اور بڑے لوگ آج کہاں؟...... ان کی خواہش تھی کہ میں اخبار میں لکھا کروں، کئی سال پہلے انہوں نے جناب گل محمد فیضی (جو اُس وقت روزنامہ "پاکستان" لاہور میں ہوتے تھے) کے نام اپنے کارڈ پر میرے لیے لکھ کر دیا جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں جو ایک نکما اور نااہل شخص واقع ہوا ہوں، بہت دیر سے اخبارات کے لیے لکھنا شروع کیا، اور بہت سی یادیں اور باتیں ہیں جو بڑے لوگ حوصلہ افزائی

---

(۱) اس ذخیرہ کی فہرست پانچ جلدوں میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے طبع ہو چکی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے لیے فرماتے ہیں میں خودستائی اور ''در مدح خود'' کے خوف سے سپردِ قلم نہیں کر رہا۔
اُن کے اندر ایک خاص خوبی تھی کہ لکھنے کے شوق کو اُبھارتے پھر لکھنے والے کے ساتھ علمی تعاون بھی کرتے، انہوں نے کئی لوگوں کو قلم کار اور صاحب کتاب بنا دیا۔ کئی لوگوں کو تحقیق اور لکھنے کا ڈھنگ سکھایا، کئی آج کے نامور قلم کاروں کو مواد اور موضوع دے کر کتب لکھوائیں۔ حضرت حکیم صاحب جہاں نہایت اعلیٰ درجے کا تحقیقی ذوق رکھتے تھے، وہاں اہلِ قلم سے توقع بھی رکھتے تھے کہ وہ حوالہ جات اصل کتاب سے دیکھ کر نقل کیا کریں اور اپنی علمی تحقیقات کی بنیاد ماخذِ اول پر رکھیں۔ اُن کے خیال میں تالیف کتب میں علم و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنا، جانب داری سے اجتناب کرنا، حقیقت میں اصولِ تحقیق کے قانون کا درجہ رکھتے ہیں۔ محقق کے اندر خود بخود ''نقد و نظر'' کی پرورش ہوتی رہتی ہے اور گاہے گاہے اس کا قلم بے لاگ تنقید و تبصرہ کرتا رہتا ہے۔ حکیم صاحب چونکہ اعلیٰ پائے کے محقق اور بے پناہ مطالعے کے حامل شخص تھے اُن کے لیے لوگوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے سفر میں بھی سامنے دیوار پر لکھی ایک تحریر تھے جیسا کہ وہ پروفیسر محمد اسلم صاحب (سابق صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی) کے بارے میں معروف دانش ور و محقق جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مرحوم کو خط میں لکھتے ہیں:

> ''اسلم صاحب اب وہ اسلم صاحب نہیں ہیں جو اپنی کتاب ''دین الٰہی اور اس کا پس منظر'' کے وقت تھے۔ بزرگانِ دین کی توجہات نے ان سے منہ پھیر لیا ہے اور آئندہ اُن سے کسی اچھے کام کی توقع نہیں ہے۔''

(ارمغانِ امام ربانی جلد چہارم صفحہ ۳۴۵،۳۴۴ مطبوعہ لاہور)

حکیم صاحب دُنیا دار قسم کے علماء سے سخت بے زار تھے۔ رائج الوقت مولویت سے کبھی خوش نہ ہوئے۔ ''عباد الدنیا والدراہم'' سے سخت نفرت کا اظہار کرتے اور مصنفین ''کتاب الحیل'' سے دُور رہنے کی تلقین بھی۔ ایک وقت میں حکیم صاحب مجھ سے ناراض بھی ہو گئے کہ میں نے ایک ''مولانا صاحب'' کی کتاب کی حمایت کی تھی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس کا لب ولہجہ سخت اور طرزِ بیان جارحانہ تھا، گرم خون تھا میرا موقف تھا کہ مولانا صاحب نے جس کتاب کا جواب لکھا ہے اس کا لب ولہجہ مولانا صاحب سے بھی زیادہ سخت اور غیر اخلاقی ہے۔ لہٰذا جیسا منہ ویسا تھپڑ، پھر ایک ''بدفطرت'' نے انہیں میرے بارے میں بدگمان کر دیا، مجھے تو کچھ نہ کہا ''مولویوں'' کے رویوں پر بے نقط سناتے رہے، میں بوجھل قدموں سے باہر نکلا اور مجھے یاد ہے باہر نکل کے رویا بھی تھا۔ اپنی افتادِ طبع کے باعث میں نے حکیم صاحب کے ہاں جانا بند کر دیا، یہاں تک کہ مجھے ان کے وصال کی خبر مل گئی، آج میں سوچتا ہوں حکیم صاحب نے جو کہا وہ سچ تھا میں روحِ حکیم محمد موسیٰ سے شرمندہ ہوں۔

زیرِ نظر کتاب ''تذکرہ علماء امرت سر'' حکیم صاحب مرحوم کے ماہنامہ فیض الاسلام (راولپنڈی) ماہنامہ بصائر (کراچی) نور الحبیب (بصیر پور) میں لکھے گئے علماء امرت سر پر مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو حکیم صاحب نے خود بھی کتابی شکل میں ترتیب کے خیال سے لکھے ہوں گے۔ جانے کیا مصروفیات آڑے آئیں کہ تذکرہ ترتیب وتدوین کے مراحل سے نہ گزر سکا۔ لوگوں کو صاحب کتاب بنانے والے حکیم صاحب خود صاحب کتاب نہ بن سکے: بڑے حوصلے اور ظرف کی یہ الگ کہانی ہے۔

''تذکرہ علماء امرتسر'' حکیم صاحب نے تذکرہ نگاری کے اصولوں کے مطابق ایک محقق ومؤرخ کی حیثیت سے لکھا ہے۔ حکیم صاحب کو بھی فکری ارتقاء کے ان مراحل سے گزرنا پڑا، جن سے دنیائے علم کے بڑے لوگ اکثر گزرا کرتے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں جب حکیم صاحب نے ''مرکزی مجلس رضا'' قائم کی تو حکیم صاحب کا فکری ارتقاء اپنی انتہاؤں تک پہنچ چکا تھا۔ فکر واعتقاد میں جو ''معمولی لغزشیں'' تھیں ان سے مکمل رجوع ہو چکا تھا۔ چونکہ وہ صحیح العقیدہ شروع سے ہی تھے۔ لہٰذا زندگی کے آخری تیس سالوں میں حکیم صاحب بدعقیدگی اور جہالت کے اندھیروں میں ''چراغِ طور'' ثابت ہوئے۔ البتہ چھوٹے قد کے ''جیب کترے'' قسم کے لوگ انہیں آج بھی بیچ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رہے ہیں۔ کسی نے حکیم صاحب کے علمی ورثے کو جمع کرنے کی کوشش نہیں کی حالاں کہ حکیم صاحب نے بہت سے "مرتبِ کتب" لوگ یادگار چھوڑے۔ ہمارے دل حکیم صاحب کی "یادوں" کی "گورِ غریباں" ہیں، جن کے شکستہ کتبے آنے والوں کو بتاتے رہیں گے کہ ہم وہ لوگ ہیں جو اس پاکیزہ دل و دماغ والے شخص کے پاس بیٹھنے والے تھے۔ جس نے تاریک راہوں میں مرنے سے ہمیں بچایا پر آنے والو! ہم تمہیں نہیں بچا سکے۔ ہم تو وہ بدنصیب ہیں جو ان کے "مشن" کو آگے بڑھانے کی بجائے ان کے نام سے اپنے آپ کو عزت دیتے ہیں۔ اے چشمِ فلک! گواہ رہنا ہم پھر اتنا بڑا انسان نہیں دیکھ پائیں گے حتیٰ کہ ہماری چشمِ حیرت بند ہو جائے گی کیونکہ

ع جانے والے نہیں آنے والے

آخر میں جناب محترم پروفیسر محمد اقبال مجددی (لاہور)، حضرت صاحبزادہ محب اللہ نوری (بصیر پور)، جناب محمد شمشاد صاحب (راولپنڈی)، جناب محمد نعیم طاہر رضوی (لاہور) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

❁❁❁❁

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حکیم صاحب اربابِ علم کی نظر میں

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن

حکیم محمد موسیٰ صاحب کے والد بزرگوار حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم ومغفور ہمارے محلے ہی مطب کیا کرتے تھے ان کا اچھا خاصا مطب تھا مریضوں کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا اور حکیم صاحب خندہ پیشانی سے ہر مریض کی طرف توجہ دیتے تھے یہ ان دنوں کی بات ہے جب حکیم محمد موسیٰ صاحب کم سن تھے بڑے ہوئے تو میرے استادِ مکرم مولانا محمد عالم آسی النظامی مرحوم ومغفور سے حکیم صاحب اور ان کے بھائیوں نے علم پڑھا اس سے حکیم صاحب سے میرا تعلق اور بڑھ گیا حکیم صاحب نے اپنے والد ہی کی زندگی میں مطب میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بھائی طبیب تھے۔ پاکستان بننے پر لاہور آ گئے حکیم صاحب کو صغرسنی ہی سے علم و ہنر اور انشاپردازی کا شوق تھا لاہور آ جانے کے بعد یہ شوق بڑھ گیا چنانچہ انہوں نے اپنی تحریر سے قوم وملت کی خدمت کی۔

حکیم صاحب کی پرورش خالص سنی ماحول میں ہوئی اور انہیں اساتذہ بھی ایسے ملے جوان کی سنی خیالات کو اور مضبوط کر دے اس طرح انہیں اپنی جماعت کے ساتھ گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ حکیم صاحب کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ دیگر فرقہ باطلہ کے اندر تنظیم ہے ان کا باہمی ربط ہے اگر نہیں ہے تو اہلسنّت میں۔ اس فکر اور جذبے کے ماتحت انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ عزم کر لیا کہ اہل سنت کے عقائد اور تعلیمات کی ترویج وتشہیر کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس سے اگر پوری جماعت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں پوری طرح روح نہ پھونکی جا سکے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ یہ جماعت زندہ کہلانے کے قابل ہو سکے اس سے ان کی قوت ایمانی اور جماعتی جذبہ کا پتہ چلتا ہے چنانچہ انہوں نے اس غرض سے "مجلسِ رضا" قائم کی۔ آپ سب جانتے ہیں جماعتوں کا قائم کرنا آسان ہوتا ہے مگر اسے مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر کھڑا کرنا مشکل کام ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کے دل میں خلوص تھا ساتھ دینے والے کی کمی تھی مگر انہوں نے ان سب باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے عزم اور مشن کو جاری رکھا۔ انہوں نے نا صرف قلم سے اہلِ سنت کی تعلیمات کی اشاعت کی بلکہ اپنے مقدر کے مطابق مالی طور پر بھی اس کی اعانت کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادارہ اب مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری

حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرت سری مدظلہ العالی محسن اہلسنّت ہیں۔ بے شک ان کی ہستی مغتنماتِ زمانہ میں سے ہے۔

آج سے بیس سال پہلے کی طرف نظر دوڑائیں آپ کو قلم و قرطاس سے تعلق رکھنے والا کوئی صاحبِ علم دور دور تک دکھائی نہیں دے گا۔ عجیب جمود اور تعطل کا عالم طاری تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اہلسنّت و جماعت کو اپنے ماضی سے دلچسپی ہے اور نہ ہی مستقبل کی فکر ہے ایسے میں حکیم اہل سنّت دام ظلہ نے مجلسِ رضا کی داغ بیل ڈالی، مجلس کی بنیاد کیا رکھی کہ لکھنے اور پڑھنے والوں کو ایک بہترین پلیٹ فارم مہیا کر دیا۔ میں یہ بات کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ آج آپ کو سنی لٹریچر کی جو بہار نظر آ رہی ہے اور آپ اہلسنّت کی ایک کھیپ مصروف جدوجہد دیکھ رہے ہیں یہ حکیم صاحب قبلہ کے خون پسینے کی کمائی کا نتیجہ ہے، انہوں نے اپنی جماعت کو لکھنے اور پڑھنے کا شعور بخشا قلم و قرطاس کی اہمیت کا احساس دلایا اور ایک ایسی تحریک عطا کی ہے کہ اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اثرات اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دن بدن بڑھتے ہی جائیں گے۔

دین و مسلک کے لیے انہوں نے جو عظیم قربانی دی ہے آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ انہوں نے اپنا سرمایہ، کاروبار، عمر عزیز اور صحت تک دین کے لیے قربان کر دی، حکیم صاحب خود صاحبِ طرز ادیب، مایہ ناز محقق، بے مثال مورخ، باوقار نقاد اور معلومات کا انسائیکلو پیڈیا ہیں، کشف المحجوب، مکتوباتِ امام ربانی، الطاف قدس، تذکرہ اکابر اہلسنّت وغیرہ کتب پر ان کے گراں قدر مقدمے تحقیق اور جستجو کے شاہکار ہیں جن پر اہلِ علم نے انہیں بجا طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مجلسِ رضا کی طرف سے علمی تحقیق اور متین لٹریچر پیش کر کے انہوں نے فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آج ایک دنیا ان کی خدمات کو تحسین اور ستائش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

موجودہ قدر ناشناس بل کہ حوصلہ شکن ماحول میں حکیم صاحب کی ذات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ علم و قلم کی آبرو کی لاج جس طرح انہوں نے رکھی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے مجھے وہ مخلص قلم کار نہیں بھولتا جو معاوضے کی طلب کیے بغیر مسلسل لکھے جا رہا تھا گردشِ زمانہ دیکھیے وہ قرضوں کے بوجھ تلے بری طرح دب گیا اور قرض خواہوں کے تقاضوں نے اس کا ناک میں دم کر دیا، اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے حکیم صاحب کو درد بھرا خط لکا اور اس میں یہاں تک لکھا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ خودکشی کر لوں۔ حکیم صاحب نے کچھ اپنے پاس سے اور کچھ اپنے مخلصین کے تعاون سے سیکڑوں روپے جمع کر کے اسے بھجوا دیئے اور اس طرح ایک قیمتی قلم کو موت کی وادی میں جانے سے بچا لیا۔

اخلاص کا یہ عالم ہے کہ سیکڑوں روپے اپنی گرہ سے مجلسِ رضا پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ مجلس کی ایک پائی بھی اپنی ذات پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری وفات پر مجلس رضا کے فنڈ سے کچھ خرچ نہ کیا جائے بل کہ اگر تجہیز و تکفین کے لیے ضرورت پڑے تو میری کتابیں فروخت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کر کے کام چلایا جائے، غرض یہ کہ قومی فنڈ سے اپنی ذات کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی طرح بالکل الگ تھلگ رکھا اور ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔

مجاہد ملت مولانا محمد عبد الستار خان نیازی

جناب حکیم حضرت محمد موسیٰ امرت سری ثم لاہوری امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت میں ایک مثالی درجہ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد وحید زمان و مکان میں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ تھا۔ سیکڑوں قلمکار ان کے دامن سے وابستہ ہو کر میدانِ تحریر میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو بکھیر رہے ہیں کیونکہ یہی اصل زندگی اور حاصلِ حیات ہے۔

علم کی دو قسمیں ہیں: علم الادیان اور علم الابدان۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر دو مراحل مین درجہ کمال عطا کیا تھا۔ ریلوے روڈ پر ان کا مطب غریب اور مسکین لوگوں کے لیے طبی امداد اور قیمتی مشوروں کا مرکز تھا۔ علم الادیان میں ان کے علمی تصرفات یہ ہیں کہ شریعت اور طریقت کی روحانیت پر ایک کے قلب میں مرتکز کر دیں اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے جذبہ سے اپنے وابستہ لوگون کو سرشار کیا۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ سابقہ و حاضرہ شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور تعلیمات کو ہر کہ و مہ تک پہنچانے کے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور انہی کی مساعی جمیلہ سے مرکزی مجلسِ رضا کا تبلیغی سلسلہ شروع ہوا اور آج نہ صرف پاک و ہند بل کہ UK اور دوسرے مغربی ممالک میں جاری و ساری ہے۔ حکیم صاحب مرحوم متواضع اور منکسر المزاج مردِ مومن تھے ان کا خلوص اور محبت ہر شخص کو گرویدہ بنا لیتا تھا۔ خاکسار راقم الحروف کے مشفق و مہربان دوست تھے ملک و ملت کے لیے ان کی موت ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ عشقِ رسول ﷺ نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے اور بقول حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کا فیض......

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خصوصی قرب عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام بلند عطا کرے اور ان کے اعزا و اقرباء اور متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

محسنِ ملت محترم حکیم محمد موسیٰ امرت سری مدظلہ العالی اہلِسنت کی آبرو اور اہلِ سنت کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ کا اہم علمی اور اعتقادی کارنامہ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کا قیام ہے جس کی وجہ سے پاک و ہند کی علمی فضائیں امام احمد رضا کے ذکر و اذکار سے گونجنے لگیں تاریکیاں چھٹنے لگیں، روشنیاں پھیلنے لگیں۔ امام احمد رضا کے یوم منائے جانے لگے۔ مجالسِ مذاکرہ شروع ہونے لگیں۔ عالمی اور علاقائی سطح پر مقالہ نگاری کے مقابلے ہونے لگے۔ مجلسِ رضا کی شاخیں ملک و بیرون ملک پھیلنے لگیں۔ نئے نئے علمی ادارے اور مکتبے قائم ہونے لگے۔ اہلسنت کی کتابیں اس طرح مارکیٹ میں آنے لگیں بقول ماہرِ تعلیم سید الطاف علی بریلوی مرحوم جیسے بارش ہو رہی ہو۔ بلاشبہ حکیم صاحب ابرِ بہار بن کر اہلِ سنت کی فضاؤں پر چھا گئے اور اہلِسنت میں حیرت انگیز بیداری پیدا کی۔ کوئی داد دے یا نہ دے وہ ہر داد و تحسین سے بے نیاز ہیں۔ ان کا عظیم کام ہی بجائے خود اللہ کا بڑا انعام ہے۔

1970ء تک راقم کو لکھتے ہوئے چودہ سال ہو چکے تھے۔ راقم کے تحقیقی مضامین پاک و ہند کے علمی جرائد میں شائع ہو رہے تھے لیکن سنہ مذکورہ میں محترم حکیم صاحب مدظلہٗ اور مکرمی مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری نے فقیر کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا۔ یہ توجہ راقم کی علمی زندگی کی ایک ؟؟ ثابت ہوئی۔ آج سولہ برس ہو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گئے راقم کا مرکزی موضوع تحقیق امام احمد رضا ہی ہے۔ سچ ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق۔ قبلہ حکیم صاحب کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی سے پاک و ہند بل کہ دوسرے ممالک بھی جگمگانے لگے۔ یہ روشنی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ دشمن بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنا نور پھیلا کر ہی رہے گا۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرت سری (ف ۱۷/ نومبر ۱۹۹۹ء) ایسی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے جن پر اہلِ زمانہ کو عرصہ دراز تک ناز رہے گا، ان کا ہشاش بشاش چہرہ اور زبانِ حقیقت ترجمان گذشتہ ماہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ لیکن ان کے افکار و خیالات علمی و دینی حلقوں میں متحرک رہیں گے اور اسی کو انسان کی بقا کہتے ہیں کہ انسان اگر زندہ ہے تو محض اپنے مضبوط افکار کے باعث ورنہ وہ مرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مرحوم نے جو علمی و فکری حلقۂ احباب چھوڑا ہے وہ ''تصلُّب فی الدین'' میں اتنا راسخ ہے کہ زمانے کے نشیب و فراز اس پر اثر انداز نہیں ہوسکیں گے۔ وہ سنی حنفی عقائد میں علماء بدایوں و بریلی کے مکتبۂ فکر کے ترجمان تھے۔ دیگر فرقوں کی طرف سے جب دینِ برحق پر حملے ہوتے تھے تو موصوف کا قلب و روح تڑپ اُٹھتی تھی، راقم احقر نے اس دینی حمیت کے منظر ''تڑپ'' کو مرحوم کی خدمت میں بیٹھ کر کئی بار دیکھا ہے اس کی حدت تو وہی محسوس کرسکتا ہے جو خود ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہو اور ان کیفیات سے دوچار ہوا ہو، موصوف بجا طور پر دورِ آخر میں سنیت کے لیے ڈھال تھے۔

راجا رشید محمود

حکیم صاحب کے مطب میں بہت بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے ان کے سامنے صاحبانِ علم کو مؤدب دیکھا، محققین کو استفادہ کرتے پایا،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مؤرخین کو رہنمائی حاصل کرتے دیکھا۔ تاریخ کی بات ہو یا منطق کی، تصوف و طریقت کے مسائل ہوں یا علم دین کے، شعر وسخن کا تذکرہ ہو یا قومی وعلاقائی ادب کا، صرف ونحو کے معاملات ہوں یا صحافت کی تاریخ، کثرت مطالعہ اور ژرف نگاہی کی وجہ سے وہ ان علوم وفنون کے ماہرین کو راہ دکھاتے ہی دکھائی دیے۔

برصغیر کی بات نہیں، مشرقِ وسطیٰ سے یا یورپی ممالک سے کوئی شخص تحقیق و تدقیق کے لیے پاکستان آتا تو رہنمائی اور کسب فیض کے لیے حکیم صاحب کا پتا اس کی جیب میں ہوتا تھا۔ اگر کوئی اپنے ملک سے یہ پتا لے کر نہ چلتا تو پاکستان پہنچ کر اور بہت سی درسگاہوں، اداروں اور دانشوروں سے استفادے کے بعد بھی اسے اس دروازے پر پہنچنا ہی پڑتا کہ اس کے بغیر تشنگی دور نہیں ہو سکتی تھی، تحقیق مکمل ہونا ممکن نہ تھا، بات بنتی نہیں تھی۔

میں نے اور میری طرح جس* طالب علم نے حکیم صاحب کی مدد چاہی، معاونت طلب کی اور رہنمائی کی خواہش کی، وہ کسی بھی موضوع پر ہو اور کسی بھی زبان سے متعلق ہو، حکیم صاحب کے ذخیرہ علم نے اسے نہال کر دیا۔ اس عمل میں پاکستان، بھارت، ایران اور دوسرے قریبی ممالک ہی نہیں، امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس وغیرہ ممالک کے متلاشیانِ علم ودانش کی سیرابی کی داستانیں بھی اپنی بہار دکھاتی رہیں۔

تحقیق کی راہ اختیار کرنے والے مسلمان بھی تھے، ہندو عیسائی اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے بھی، سب پر حکیم صاحب کی کشادہ دلی سایہ فگن رہی۔ انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے ذریعے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو صحیح معنوں میں زندہ کر دیا اور ان کی علمی، ادبی حیثیت کو دنیا سے منوا لیا، مگر اہلحدیث، دیوبندی، شیعہ وغیرہ تمام مسالک کے رہروان منزل علم وادب اس سالک سے اکتساب کرتے رہے۔ حکیم صاحب کا درِ علم کسی کے لیے کبھی بند نہیں پایا گیا۔ یہ مدینۃ العلم (ﷺ) اور باب مدینۃ العلم (کرم اللہ وجہہ) کے سچے نام لیوا تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں نے تو حکیم صاحب کے نام کے ساتھ ہمیشہ "محقق عصر" لکھا ہے، اس لیے کہ حقیقت یہی ہے۔ ان کی کتابوں یا تحقیقی مقالوں کی مقدار تو شاید اتنی نہیں جتنی کئی اور لوگوں کی ہو سکتی ہے لیکن معیار ایسا ہے کہ اسی کو معیار قرار دیا جائے ویسے تو آج کل معیار کی پرسش کم ہی ہوتی ہے، یہ غلغلہ اٹھتا ہے کہ فلاں اتنی کتابوں کا مصنف ہے وغیرہ۔

میں نے ایک بار ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا سے ایک پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگے، جاہل ہے۔ میں نے کہا اس کی تو کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کہنے لگے، بک مینوفیکچرنگ تو الگ آرٹ ہے۔ حکیم صاحب آرٹسٹ نہیں تھے، حکمت و دانش کا پیکر تھے، تحقیق و تدقیق کے رسیا تھے، علم کا سمندر تھے۔ سمندر ان معنوں میں بھی کہ ان کے یہاں بھی مختلف رنگ، مختلف ذائقے اور ہمہ پہلو کیفیتیں تھیں۔ وہ علم، تاریخ اور ادب کے ہر رنگ پر گہری ناقدانہ اور محققانہ نظر رکھتے تھے۔

حکیم صاحب پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا پرتو تھا۔ سادگی ان کی ضرب المثل تھی۔ صاحبانِ علم، بل کہ طالبانِ علم کے سامنے ان کے مزاج کا انکسار ان کی عظمت کا آئینہ دار تھا لیکن ہر متکبر، غیر مخلص، بے ایمان شخص کے مقابلے میں ان کے مزاج کی تیزی ایمان کو جلا بخشتی تھی۔

حکیم صاحب نے بہت سے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، کرتے رہے۔ پتا نہیں کس کس کو ان کا کون سا سلوک یاد رہتا ہے۔ یاد رہتا بھی ہے یا نہیں۔ جہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر کلمہ شکر ادا کرنا بوجھ سمجھتے ہوں وہاں اور کسی کی اچھائیوں کو بھول جانا مشکل ہے۔

سادگی کا مجسمہ، خلوص و دیانت کا پیکر، علم کو دل پر برتنے والا شخص، مریضوں سے دوا کی برائے نام قیمت لینے والا دردمند آدمی، تحقیق و تصنیف کی راہوں کے ہر راہی کا رہنما اور معاون، دوسروں کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرنے والا...... جو فرشتہ نہ تھا، آدمی تھا۔ عہدِ حاضر میں انسانیت کی قدروں کا پشتیبان تھا، بہت بڑا انسان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا، وہ اب ہم میں نہیں رہا، اپنے رب کریم کے پاس چلا گیا ہے۔

ع کاش کوئی اس کی راہوں کا رہرو نکلے!

علامہ محمد سید فاروق القادری

زمانے کو کسی کے مرنے جینے سے کیا غرض مگر ہمارے دلوں کی بستیاں اجڑ گئیں۔ تیس بتیس سال سے رام گلی اور ریلوے روڈ سے محبتوں اور چاہتوں کے جو رشتے قائم تھے وہ ختم ہو گئے۔ ریلوے روڈ ہی نہیں ان کی موت پر علم و فضل، درویشی و سادگی، مجلسِ رضا کے فورم سے چھپنے والی لاکھوں کتابیں، اور ہم ایسے ہزاروں ان کے محبّ اداس و سوگوار ہیں۔

ڈاکٹر ساجدہ اے علوی

پروفیسر تاریخ پاک و ہند انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میکگل یونیورسٹی، مانٹریال (کینیڈا)

غالباً 1988ء کی گرمیاں تھیں جب میں اٹھارھویں صدی کے علماء وصوفیاء پر تحقیق کے سلسلے میں مانٹریال (کینیڈا) سے لاہور آئی ہوئی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اورینٹل سیکشن) میں زیادہ وقت گزرتا جہاں جناب سید جمیل احمد شاہ (رضوی) صاحب نے مجھے حکیم صاحب سے غائبانہ متعارف کرایا اور بتایا کہ نقشبندی مجددی سلسلے کے تحقیقی مواد اور دیگر معلومات کے حصول کے لیے میرا حکیم صاحب سے ملنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ ایک صبح میں 55 ریلوے روڈ پر حکیم صاحب کے مطب گئی جہاں میری ملاقات ایک عالم ایک صوفی ایک درویش منش انسان دوست اور انتہائی مشفق ہستی کے ساتھ ہوئی۔ یہ ملاقات ایک گہرے علمی و قلبی تعلق کا باعث بنی جو گیارہ برس تک برقرار رہا۔

جب بھی لاہور آتی ان کے مطب جانا، ان کے ساتھ اپنے تحقیقی مسائل پر

12952

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تبادلہ خیالات نئی مطبوعات اور پاکستان کے حالات پر بات چیت کرنا میرے معمول کا حصہ ہوتا۔ کینیڈا سے بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب بھی کسی تحقیقی مواد کی ضرورت ہوتی تو حکیم صاحب خندہ پیشانی اور مستعدی سے مجھے مانٹریال یا ٹورانٹو بھجوا دیتے۔ امسال (1999ء) 7 دسمبر کی صبح میں مانٹریال سے لاہور پہنچی اور آتے ہی حسب معمول میں نے اپنے عزیزوں سے حکیم صاحب کے مطب جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مجھے حکیم صاحب کی رحلت کی افسوس ناک خبر ملی، بہت صدمہ ہوا، ان سے نہ مل سکنے کی وجہ سے میرا یہ سفر ادھورا لگتا ہے۔ ایک تشنگی سی ہے، بے شک علم و دانش کی ایک شمع بجھ گئی۔ ان صوفیانہ مشرب عالم کی رحلت سے لاہور میں دینی و علمی حلقوں کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس خیال سے تقویت پہنچی کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں ان سے ملی اور ان سے مستفیض ہوئی اور ان کے ساتھ ملاقاتوں کی خوب صورت یادیں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔

مشفق خواجہ (کراچی)

حکیم محمد موسیٰ کے انتقال کی خبر سنی، بے حد افسوس ہوا۔ ایسے صاحب فضل و کمال کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا بہت بڑا سانحہ ہے۔ میری بدقسمتی کہ ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی وہ ان چنیدہ افراد میں سے تھے کہ جس سے بھی ذکر ہوا تعریف ہی سنی وہ صحیح معنوں میں مقبول خلائق تھے۔ حق معرفت کرے کہ ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

سید سبط الحسن ضیغم

دنیا جہاں سے آنے والے سکالروں کی ان تک پہنچنے کی مجبوری دنیا بھر سے تحقیق کے حوالہ سے خط و کتابت نے حکومتی اداروں کے نزدیک ان کی اہمیت کو دوچند کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا خود حکومت بھی ان سے راہنمائی حاصل کرتی مگر ایسا نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوا بل کہ حکیم صاحب مرحوم کی خط و کتابت بھی تنقیدی طور پر دیکھنے کے لیے سنسر ہوتی اور ساتھ ہی ان کی نگرانی کے لیے کہ انہیں کون ملتا ہے۔ حکیم صاحب سے کس کی کیا گفتگو ہوتی ہے وہ کیا رائے زنی کرتے ہیں۔ یہ سب معلومات حاصل کرنے کے لیے حکومت نے ان پر نگرانی کی گرض سے ہمہ وقتی "شرطے" لگا دیئے۔ جنہوں نے ہدایات ملنے پر حکیم صاحب کے حلقہ احباب کو کم کرنے کی کوششیں بھی کیں۔

❁❁❁❁

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا غلام رسول قصوری ثم امرتسری

مولانا غلام رسول بن مولانا حافظ محمد داؤد بن شیخ محمد بن مخدوم غلام مرتضیٰ[1] بن حاجی عبدالملک قصوری رحمھم اللہ اجمعین و رفع درجاتھم فی اعلیٰ علّیین نسباً قریشی صدیقی مذہباً حنفی اور مشرباً قادری نقش بندی تھے۔

امرت سر کے مشہور و معروف عالم مولانا غلام العلی مرحوم آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔

ابتدائی حالات

آپ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے جملہ کتب معقول و منقول پڑھیں اور روحانی فیوض حاصل کیے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا حافظ عبدالرسول[2] علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے۔ چوں کہ آپ بے حد ذہین و فطین تھے اس لیے بالکل نوعمری ہی میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مشغول ہو گئے تھے۔ ان دنوں انگریزوں نے پنجاب میں نیا نیا تسلط قائم کیا تھا، اور مسلمان فوجیوں کی معلّمی و امامت کے لیے

(۱) یہ مخدوم غلام مرتضیٰؒ وہی بزرگ ہیں جن سے سید وارث شاہؒ اور سید بلھے شاہؒ نے علم حاصل کیا۔ ان مخدوم صاحب کا تذکرہ ''فیض الاسلام'' بابت جولائی و اگست ۱۹۶۲ء میں چھپ چکا ہے۔ اس لیے مولانا غلام رسولؒ کے خاندانی حالات کو یہاں لکھنا تحصیل حاصل سمجھا گیا۔

(۲) مولانا حافظ عبدالرسولؒ مولانا غلام رسول کے دادا شیخ محمدؒ کے بڑے بھائی حافظ غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا غلام محی الدین (متوفی ۱۲۷۰ھ) خلیفہ حضرت شاہ غلام علیؒ دہلوی کے صاحب زادے تھے۔ اس قریبی رشتہ سے یہ پیر مرید بھائی بھائی بھی تھے۔ مولانا عبدالرسولؒ کا وصال ۱۲۹۴ھ میں ہوا، یعنی آپ اپنے مرید کے ۲۱ سال بعد فوت ہوئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چھاؤنیوں میں علماء ملازم رکھے جاتے تھے۔ مولانا غلام رسول مرحوم ومغفور بھی فیروز پور میں اس خدمت پر مامور ہو گئے۔ مگر جلد ہی امرت سر تشریف لے گئے۔

قاضی امرت سر

امرت سر میں ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی ، جو حکام کو مسلمانوں کے مقدمات کے وقت شرعی احکام بتایا کرے اس غرض کے لیے مختلف مقامات سے علماء کو انٹرویو کے لیے طلب کیا گیا۔ ان میں مولانا غلام رسول قصوری بھی تھے۔

حضرات علماء سے انٹرویو انگریز افسر مسٹر سینڈل کر رہا تھا، جو ایک باخبر اور ذی علم انسان تھا۔ اس نے علماء سے بڑے بڑے چیدہ سوالات کر کے جواب چاہے۔ مگر سب نے مہلت طلب کی۔ جب مولانا غلام رسول کی باری آئی تو انہوں نے اسی وقت تسلی بخش جواب دے کر اسے مطمئن کر دیا مسٹر سینڈل نے آپ کی فضیلت علمی اور ذہانت و طباعی سے متاثر ہو کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بطور قاضی امرت سر آپ کا تقرر منظور کیا۔

مدرس سرکاری سکول

آپ کو فوج داری اور دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں حکام کو فتاویٰ لکھ کر دیتے ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ امرت سر میں گورنمنٹ نے ایک سکول قائم کیا، جس میں آپ کو عربی و فارسی کا اول مدرس مقرر کر دیا گیا۔ مگر قاضی شہر بہ دستور آپ ہی رہے۔

مجموعہ فتاویٰ

مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا قلمی مجموعہ جو تاریخی حیثیت کا حامل ہے، مولانا محمد داؤد صاحب ایڈوکیٹ قصوری نبیرہ مولانا غلام العلی مرحوم کے پاس محفوظ ہے۔ راقم نے اس مجموعہ کو دیکھا ہے۔ اس میں استفتاء اور ان کے جواب تاریخ وار درج ہیں۔ سب سے پہلا سوال ''مسٹر ساندرس بہادر'' کی طرف سے ہے، جس میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا کو یوں خطاب کیا ہے:

"فضیلت مآب وکمالات اکتساب حاوی فروع واصول مولوی غلام رسول حفظہ"

استفتاء کی طویل عبارت کے بعد مولانا کی طرف سے اس کا جواب مرقوم ہے۔ اور تاریخ ۲۹ نومبر ۱۸۵۲ء لکھی ہے اس سے ظاہر ہے کہ مولانا غلام رسول مرحوم و مغفور ۱۸۵۲ء میں امرت سر میں تھے اور ان ہی دنوں امرت سر گئے تھے۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں زیادہ تر استفتا نکاح، طلاق وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ یہ استفتاء مختلف عدالتوں اور افسروں کی طرف سے لکھے ہوئے ہیں۔ انداز تحریر قریباً سب کا یکساں ہے۔ بطور نمونہ ایک استفتاء کی عبارت درج ذیل ہے:

"نقل پروانہ واکفیل صاحب اسسٹنٹ کمشنر بہادر امرت سر

فضیلت مآب مولوی غلام رسول مدرس مدرسہ عربی و فارسی حفظہ

خیر اولد مراد بخش موچی ساکن سوہیاں حال وارد کٹڑہ میاں سنگھ امرت سر۔ مدعی

بنام عمر اولد بھولا موچی ساکن سوہیاں خورد تھانہ کتھونگل۔ مدعا علیہ دعویٰ کردینے ناطہ برادر زادی اپن کا بجائے دیگر۔ اس مقدمہ میں بیان فریقین سے واضح ہے کہ مادر لڑکی کی حیات ہے۔ اس نے بمرضی خود ناطہ اپنے ہم قوم میں یعنی خاوند کی قوم میں کیا ہے۔ اور مدعی کہتا ہے کہ عورت کا دیور ہوں مجھ کو اختیار ہے لہٰذا آپ کو لکھا جاتا ہے کہ بموجب رسم شرع شریف کے کیفیت اس کی لکھو کہ عورت کا ناطہ کرنے لڑکی کے اپنی خاوند کی قوم میں چاہئے تھا یا نہیں، اور مدعی کو کچھ مداخلت (؟) تھا۔ تحریر ۲۸ اپریل ۱۸۵۵ء۔" (مجموعہ فتاویٰ، صفحہ: ۱۶)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام آخری استفتا "میک لائن صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر بہادر" کی طرف سے ۷ اپریل ۱۸۵۶ء کو پہنچا۔ اس کے بعد مولانا کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ ان کے برادر مولانا غلام العلی مرحوم نائب مدرس مدرسہ سرکاری، اس خدمت پر مامور ہوگئے۔ چنانچہ ان کی طرف سے آخری فتویٰ ۱۲ جنوری ۱۸۶۱ء کو لکھا گیا۔ اور وہ اس کے فوراً بعد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے تھے۔ اس کے بعد حکومت نے یہ اسامی ہی ختم کردی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں آج کل کی طرح مقدمات کی بھرمار نظر نہیں آتی، کیوں کہ کئی کئی ماہ گزرنے کے بعد مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کے پاس استفتاء آتا تھا، جیسا کہ ان کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

مسلک ومشرب

مولانا محمد داؤد صاحب قصوری ایڈووکیٹ نے لکھا ہے:

> "آپ کی عادات وخصائل بہت حد تک اپنے والد بزرگوار سے ملتی تھیں۔ آپ کا مسلک آبائی حنفی، قادری اور نقش بندی تھا۔ مگر پیری مریدی سے طبعاً بے زار تھے۔ سنن نبوی اور شعائر اسلامی پر سختی سے پابند تھے۔"

مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ انسان تھے۔ بزرگوں کے ساتھ ادب واحترام اور چھوٹوں سے محبت وشفقت سے پیش آنا آپ کا شیوہ تھا اور مال و دولت کو جمع کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

بھائی سے سلوک

آپ اپنے چھوٹے بھائی مولانا غلام العلی مرحوم (متوفی ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء) پر بڑے شفیق ومہربان تھے۔ جب وہ لاہور سے فارغ التحصیل ہوچکے تو ان کو اپنے پاس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امرت سر بلا کر سرکاری مدرسہ میں نائب مدرس لگوادیا۔مولانا غلام العلی صاحب کو آپ سے تنخواہ کم ملتی تھی مگر آپ اپنی تنخواہ وصول کرنے کے بعد ان کی تنخواہ میں ملا دیا کرتے اور پھر نصف نصف بانٹ لیتے۔

اطاعت والدین

آپ والدین کے اس قدر اطاعت گزار تھے کہ اپنی تمام خواہشات پر ان کی رضا مندی اور خوش نودی کو مقدم رکھتے تھے۔ان کی زیارت وقدم بوسی کے لیے اکثر سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرکے قصور تشریف لاتے اور مسجد کلاں کے اس حجرہ میں قیام فرما ہوتے، جو حجرہ آپ کے بزرگوں کی اقامت گاہ تھا۔آپ فرماتے کہ

"اس حجرہ میں قیام سے جس قدر راحت اور طمانیت قلب کو ملتی ہے،
اس کی کیفیت بیان کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے۔"

آپ کا یہ معمول تھا کہ تنخواہ میں سے اپنی ضروریات کے لیے روپے رکھ کر باقی سب والدین کی خدمت میں پیش کردیتے تھے۔

تعمیر مکان

آپ جائداد بنانے کے حق میں نہ تھے حتی کہ رہائشی مکان کی تعمیر بھی پسند نہ کرتے تھے۔والدہ ماجدہ کے اصرار پر ایک قطعہ زمین "قصور" میں خرید لیا۔مگر تعمیر میں ٹال مٹول کرتے رہے۔

پیش گوئی رحلت

تعمیر مکان کے لیے والدہ ماجدہ کے اصرار نے شدت اختیار کرلی تو ان کی خوش نودی کے لیے مکان بنوانا شروع کرادیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا:

"مکان کی تعمیر کے آغاز میں میرے انجام کی اطلاع پنہاں ہے۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابھی چار دیواری کی بنیادیں سطح زمین تک مرتفع نہ ہونے پائی تھیں کہ آپ پر ہیضے کا حملہ ہوا۔ چند روز اس عارضے میں مبتلا رہ کر ۲ صفر المظفر 1273ھ مطابق 2 دسمبر 1856ء شب جمعرات داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ رحمہ اللہ بعد وفات آپ کی میت کو امرت سر سے قصور لا کر آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ الشریف۔

ایک غلطی کا ازالہ

قلمی مسودات (جن سے یہ مضمون ماخوذ ہے) میں مولانا کا سال وصال 1273 مطابق 1857 لکھا ہے جو غلط ہے۔ تقویم ہجری و عیسوی شائع کردہ انجمن ترقی اردو میں صفر 1273 کے مقابل دسمبر 1856 لکھا ہے جو بالکل صحیح ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

ان مسودات اور یادداشتوں کے رجسٹر میں سے ایک بوسیدہ کاغذ ملا ہے، اس پر مولانا مرحوم کے دو قطعات تاریخ لکھے ہوئے ہیں۔ خط نہایت شکستہ ہے، اس لیے ایک قطعہ صاف طور پر پڑھا نہیں جا سکا، جو پڑھا جا سکا ہے وہ یہ ہے:

وائے ازیں حادثہ ناگہاں	رفت قرار از دل پیر وجواں
جملہ خلائق بسر کوی و بام	نعرہ زناں، نالہ کناں این وآں
بود مکمل ز کمال عمل	فاضل وکامل شرف خانداں
عامل و زاہد بعبادت مدام	پیش رو طائفۂ عابداں
مولوی نیک غلام رسول	کردنثار قدمش مال وجاں
ہائے دوم شہر صفر آں ولی	نصف شب جمعہ بحق دادجاں
ماند پس ازوے بصغار و کبار	داغ تاسف بدل بیدلاں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دوش سروش آمدہ اندر خروش | چوں کہ ازو جستم تاریخ آں
گفت جوابم کہ بغیر از سوال[1] | خیمہ بر زد بقصور جناں
۹۷ | ۱۲۷۳= ۹۷ - ۱۳۷۰ھ

یہ قطعہ تاریخ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کے فکر کا نتیجہ ہے۔

دیگر

(از حسن شعری کشمیری)

تاریخ امرت سر میں سب سے اوّل اور شعرا کے سرخیل مولوی ابومحمد حسن شعری کاشمیری مرحوم (متوفی ۱۲۹۸ھ) گزرے ہیں۔ یہ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ بنام ''مرآۃ خیال'' ۱۸۸۷ء مطابق ۱۳۰۴ھ میں بسعی فرزندِ شعرؔی مرحوم شائع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۴۳۵ سے مولانا غلام رسول کی تاریخِ وفات ذیل میں نقل کی جا رہی ہے:

از جہاں مولوی غلام رسول | بقصور جناں چوں کرد سفر
سال تاریخ فوت او شعرؔی | خواست ز اندیشہ خرد پرور
ہاتفی گفت از سر حسرت[2] | شب آدینہ بود و شہر صفر
۸ | ۱۲۷۳ = ۸ + ۱۲۶۵ھ

اولاد

آپ کے دو صاحب زادے تھے، جو اپنے وقت کے مشہور اور جید علما میں شمار ہوتے تھے۔ بڑے صاحب زادے کا نام نامی اسم گرامی مولانا غلام اللہ (قصوری) ہے، جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا انتقال

(۱) ''سوال'' کے اعداد (۹۷) خارج کر کے تاریخ نکلتی ہے۔
(۲) اس تاریخ میں ''ح'' کے (۸) جمع کرنے سے عدد پورے ہوتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

1341ھ میں ہوا تھا۔ دوسرے فرزند مولوی ولی اللہ صاحب مرحوم ہیں۔ یہ ریاست فریدکوٹ میں ولی عہد کے اتالیق تھے، اور 24 جنوری 1920ء کو فوت ہوئے۔ مولانا غلام رسول عین عالم شباب میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے وقت مولانا غلام اللہ کی عمر 6 برس اور مولانا ولی اللہ کی 4 برس تھی۔

(ماہ نامہ ''فیض الاسلام'' راول پنڈی نومبر 1962ء)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوری ثم امرتسری

امرت سر کے علماء کرام میں سے ''اہل حدیث'' مسلک کے مبلغ اول مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوری تھے۔ ان ہی کی تحریک پر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے جدا مجد مولانا سید عبداللہ غزنوی کا امرتسر میں ورود ہوا۔ مولانا قصوری نہایت متقی اور زاہد و عابد انسان تھے۔ ارشاد خداوندی ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ'' کے پابند رہتے ہوئے وہ وعظ و نصیحت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے مقصد میں بہت زیادہ کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مرحوم امرت سری مولانا قصوری کے شاگرد ارشد مولانا میر احمد اللہ کے تلمیذ رشید تھے، انہوں نے اپنی تصنیف ''شمع توحید'' مطبوعہ ۱۹۳۸ء کے آخر میں ''امرت سر کی بالاجمال تاریخ اہل حدیث'' کے زیر عنوان لکھا ہے:

> ''امرت سر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو، سکھ) کے مساوی ہے۔ اَسّی سال[1] پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔ عنایت ایزدی سے ایک صاحب امرت سر میں بصیغہ ملازمت سرکاری سکول میں آئے۔ ان کا نام نامی مولوی غلام علی قصوری تھا۔ مرحوم بھی پہلے اسی خیال کے تھے مگر عنایت الٰہی سے توحید کی سمجھ آئی۔ آپ نے تبلیغ کا سلسلہ بصورت وعظ شروع کیا۔ سرکاری مدرسے کی ملازمت چھوڑ کر کٹڑہ سفید کی مسجد میں متوکلاً بیٹھ گئے۔ آپ کے توکل کی یہ شان تھی کہ کبھی کسی حاکم یا

(۱) یعنی اب (۱۹۶۲ء) سے ایک سو چھ سال پہلے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رئیس سے ملنے کو نہیں گئے۔تبلیغ توحید کا اثر اور غلغلہ شہر میں بلند ہوا۔ عوام مسلمان خاص کر رؤسائے شہر آپ پر غیظ وغضب کی نظر ڈالنے لگے،ایک مقدمہ توہین "چائے گیارھویں" کا بنایا گیا،ادھر حکام کے کان بھرے گئے کہ اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو شہر میں امن نہیں رہے گا، بصد کوشش دوسو روپیہ جرمانہ کرایا۔مگر اس جرمانہ نے مرحوم کے جوشِ توحید پر وہی اثر کیا جو کسی شاعر نے کہا ہے:

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

آپ نے پہلے سے زیادہ اشاعت توحید پر کمر باندھ لی۔آپ کی تقریر پنجابی زبان میں ہوتی تھی جس میں خدا نے خاص اثر رکھا تھا۔"

(صفحہ۵۲)

"مولوی غلام علی صاحب نے درس ترجمہ قرآن جاری کیا جس میں بہت سے لوگ شریک ہوتے۔چونکہ یہ ابتدائی تحریک تھی۔اس لیے مخالف اپنی مخالفت کے ساتھ آتے مگر خاص اثر لے کر جاتے۔مولوی صاحب کا عقیدہ محدثانہ اور انداز بیان متکلمانہ تھا عموماً تفسیر کبیر کو مد نظر رکھتے تھے۔" (شمع توحید ص۵۳)[1]

(۱) مولانا ابو الوفا ثناء اللہ مرحوم پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔مگر خوش قسمتی سے بچ گئے۔اس حملے کی یادگار کے طور رسالہ شمع توحید تصنیف فرمایا۔مولانا چونکہ ان دنوں بہت زیادہ مغلوب الغضب تھے۔ اس لیے اس رسالے میں انہوں نے احناف پر بہت سخت حملے کیے۔احناف کی طرف سے حضرت مولانا محمد عالم آسی امرت سری مرحوم نے اس کا جواب "پروانہ تنقید بر شمع توحید" کے نام سے لکھ کر حسب عادت اپنے ایک شاگرد کے جانب سے اخبار "الفقیہ" امرت سر میں خاص نمبر کی صورت میں شائع کرایا۔اس کے جواب میں مولانا ثناء اللہ نے رسالہ "نور توحید" تصنیف کیا۔اس جواب کا جواب پھر مولانا آسی نے "لمعہ تنقید بر نور توحید" کے نام سے رقم کیا جو بہت فاضلانہ اور مسکت تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا غلام العلی کے جداعلیٰ حاجی عبدالملک صدیقی شاہ جہاں کے عہد میں وارد قصور ہوئے ان کے فرزند حافظ مخدوم غلام مرتضیٰ بڑے بلند پایہ عالم دین اور عارف باللہ تھے۔

ان ہی مخدوم صاحب کے شاگرد تھے عارف پنجاب سید وارث شاہ مصنف ہیر اور حضرت سید بلھے شاہ۔

حافظ مخدوم غلام مرتضیٰ قصوری کے فرزند تھے شیخ محمد، ان کے فرزند تھے مولانا حافظ محمد داؤد، ان کے فرزند تھے مولانا ابوعبداللہ غلام العلی قصوری ثم امرت سری۔

صاحب تذکرہ مولانا قصوری چار بھائی تھے:

غلام مصطفیٰ (لاولد)، غلام غوث (لاولد)، مولانا غلام رسول[1] (قصوری ثم امرت سری)، مولانا غلام العلی۔

ابتدائی حالات

آپ ۱۸۲۶ء کے لگ بھگ بمقام "قصور" (ضلع لاہور) پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ علاوہ ازیں قصور کے دیگر فضلاء سے بھی فیض یاب ہوئے مسلک آبا سے ابتدا ہی سے اختلاف رکھنے لگے تھے۔اس لیے پیری مریدی سے ان کی طبیعت نفور تھی۔ چنانچہ فیروز پور جا کر مسلمان فوجیوں کی امامت کے فرائض سرانجام دینے پر مامور ہو گئے۔فوج کی ملازمت اختیار کیے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کو تکمیل علوم دین کا خیال پیدا ہوا۔اس وجہ سے آپ ملازمت سے

(۱) مولانا غلام رسول مرحوم کا ۱۸۵۶ء میں بمقام امرت سر انتقال ہوا تھا۔مولانائے موصوف کے دو صاحب زادے تھے مولانا غلام اللہ اور مولانا ولی اللہ، مولانا غلام اللہ وہی بزرگ ہیں جن کا شمار انجمن حمایت اسلام لاہور کے بانیوں میں ہوتا ہے۔آپ مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔چیفس کالج لاہور میں ایک عرصہ تک عربی و دینیات کے پروفیسر رہے۔ان کا انتقال ۱۳۴۱ھ میں ہوا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سبک دوش ہو کر لاہور چلے آئے اور یہاں حضرت مولانا محی الدین بگوی علیہ الرحمۃ[۲] و مولانا احمد الدین بگوی علیہ الرحمۃ[۳] کی شاگردی اختیار کی۔ چنانچہ ایک عرصہ تک ان کے پاس رہ کر تحصیل و تکمیل علوم کی۔

امرتسر روانگی

مولانا قصوری کے فارغ التحصیل ہونے سے کچھ عرصہ پہلے آپ کے برادر بزرگ مولانا غلام رسول مرحوم امرتسر کے قاضی اور مدرسہ سرکاری کے اول مدرس دینیات مقرر ہو چکے تھے۔ انہوں نے آپ کو امرتسر بلا کر سرکاری سکول میں نائب مدرس دینیات لگوا دیا۔ یہ واقعہ قریباً ۱۸۵۳ء کا ہے۔ دونوں بھائی بڑے پیار اور محبت سے رہتے رہے۔ بڑے بھائی کی غیر حاضری میں چھوٹے بھائی کو فتویٰ نویسی کا کام بھی کرنا پڑتا جس کی وجہ سے ان کا مطالعہ وسیع اور نظر دور بین ہوتی چلی گئی۔

قاضی شہر

مولانا غلام رسول وفات پا گئے تو ان کی جگہ آپ قاضی مقرر ہو گئے۔ آپ عہدہ

(۲) یہ حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے اور سند حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے حاصل کی تھی۔ تکمیل علوم کے بعد لاہور چلے آئے اور یہاں تیس سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں واصل بحق ہوئے ان کے فرزند اکبر مولانا الحاج مفتی غلام محمد بگوی (متوفی ۱۹۰۰ء/ ۱۳۱۸ھ) شاہی مسجد لاہور کے خطیب تھے۔

(۳) یہ مولانا غلام محی الدین علیہ الرحمۃ کے چھوٹے بھائی تھے۔ حدیث کی سند حضرت شاہ اسحاق علیہ الرحمۃ سے حاصل کی تھی۔ اور سلسلہ قادریہ مجددیہ میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔ آپ ایک مدت تک لاہور میں طلبہ کو پڑھانے کے بعد ۱۲۶۲ھ میں مستقل طور پر "بگہ" میں مقیم ہو گئے مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا اور آپ کو "بھیرہ" ضلع سرگودھا کی جامع مسجد کی خطابت کے فرائض کی ذمہ داری اٹھانی پڑی اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ ۱۲۸۶ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔
(تذکرہ مشائخ بگویہ صفحہ ۱۷)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر شروع ۱۸۶۱ء تک فائز رہے۔ آپ کے فتاویٰ کا رجسٹر میرے سامنے ہے۔ اس میں آخری فتویٰ ۱۸۶۱ء کا لکھا ہوا ہے۔

آغاز کار

مولانا قصور جدّی گدّی نشین اور پیر زادے تھے۔ ان کی گدّی قصور میں "صاحبزادگان کی گدّی" کے نام سے مشہور ہے جو قادری نقشبندی مجددی سلسلے کا مرکز فیضان تسلیم کی جاتی ہے۔ آپ کی طبیعت کا رجحان بالکل اس کے برعکس تھا۔ آپ ان امور کو غیر مشروع سمجھتے ہوئے ان کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے اس لیے سرکاری ملازمت ترک کر کے "مسجد جھینڈا" واقع بازار سر کی بنداں امرت سر میں مقیم ہو گئے۔ یہ مسجد اس سے قبل قریباً غیر آباد تھی۔ مولانا نے یہاں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ واقعہ وسط ۱۸۶۱ء کا ہے۔

مولانا قصوری چونکہ امرت سر میں سب سے پہلے اہل حدیث عالم دین تھے۔ ان کی مخالفت ہونا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ بڑی شدّ و مد سے آپ کی مخالفت ہوئی۔ طرح طرح کے مصائب و آلام میں آپ کو مبتلا کیا گیا۔ مگر آپ کوہ استقامت ثابت ہوئے۔

اس زمانے میں امرت سر کے ان پڑھ کشمیری مسلمانوں میں اس قدر جاہلانہ رسوم رائج تھیں کہ حنفی (بریلوی)[1] علماء کا سنجیدہ طبقہ بھی ان سے بیزار تھا۔ چنانچہ اسی عہد میں مولانا مفتی صوفی حمایت اللہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو مذہباً حنفی تھے اور مولانا مفتی غلام رسول قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف رسل بابا) کے استاد تھے، ان کو تبلیغ حق کی پاداش میں ہزاروں تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں اور بالآخر امرت سر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مولانا حمایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۶ھ میں بمقام بھوپال فوت ہوئے۔[2] اندریں

(۱) تفہیم مطلب کے لیے بریلوی لکھا گیا ورنہ اس زمانہ میں یہ اصطلاح مروج نہیں تھی۔

(۲) مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی مدظلہ نے "تذکرہ اسلاف" میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حالات ایک اہل حدیث عالم (اس وقت کی اصطلاح کے مطابق وہابی)[1] کو اپنے خیالات کے اظہار میں جو دقتیں پیش آسکتی تھیں، وہ عیاں ہیں۔

الگ مسجد

مولانا کی مخالفت جب اس حد تک پہنچی کہ "مسجد جھینڈا" کے گردونواح کے لوگوں کے علاوہ متولیانِ مسجد بھی آپ کے مخالف ہو گئے تو آپ نے ان جھگڑوں میں پڑنا پسند نہ کرتے ہوئے اپنی الگ مسجد تعمیر کر لینے کا تہیہ کر لیا تا کہ نہایت سکون کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا جا سکے۔ اس کام کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور آپ ملازمت چھوڑ چکے تھے۔ اس مشکل کو آپ نے یوں حل کیا کہ قصور والدہ ماجدہ مرحومہ کی خدمت علیا میں حاضر ہوئے اور والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ترکہ سے اپنا حصہ وصول کیا، جو جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کی صورت میں تھا۔ اس جائیداد کو فروخت کر کے امرت سر

(بقیہ حاشیہ) مولانا حمایت اللہ کے حالات کے آخر میں لکھا ہے:

"بعض غیر مقلد مولوی صاحبان نے حضرت مولانا (حمایت اللہ) کو اپنے گروہ کا ایک فرد قرار دیا ہے میرے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مولانا پر بہتان ہے۔ مولانا حنفی المذہب اور صوفی المشرب بزرگ تھے۔" (ص ۸۶)

چند روز ہوئے مولانا قاسمی میرے پاس تشریف لائے تو انہوں نے دوران گفتگو یہ بھی بتایا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اخبار اہل حدیث میں مفتی حمایت اللہ صاحب کا تذکرہ اہل حدیث علماء کے ذیل میں لکھ دیا تو والد ماجد (حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی) نے اُسی وقت اس کی تردید اخبار "الفقیہ" امرت سر میں چھپوادی تھی۔

(۱) مولانا غلام العلی نے اپنے آپ کو کبھی بھی "وہابی" یا "اہل حدیث" وغیرہ خود نہیں لکھا۔ ہاں اس زمانے میں اکثر لوگ فخریہ طور پر وہابی لکھا کرتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی تصنیف "ترجمان وہابیہ" کا نام ہی ثبوت کے طور پر پیش کرنا کافی ہے۔ مطبع منار مصر نے بھی ایک کتاب "تحفۃ الوہابیۃ النجدیہ" شائع کی تھی۔ سر سید مرحوم نے بھی اپنے آپ کو "وہابی" لکھا ہے۔ (حیات جاوید ۱۲۲ص مؤلفہ مولانا حالی ایڈیشن تیسرا)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تشریف لے گئے اور کٹڑہ سفید میں ایک قطعہ زمین سفید بعوض مبلغ بیس روپیہ خریدا۔
اس زمین کی رجسٹری ابھی تک محفوظ ہے۔ اس میں مولانا کا نام یوں تحریر ہے:

"فیاض زماں علامہ دوراں مولوی غلام علی صاحب ولد حافظ داؤد قوم قریشی عرف صدیقی ساکن حال وارد امرت سر۔"

یہ رجسٹری ۱۵/ چیت ۱۹۲۲ بکرمی مطابق ۲۶ مئی ۱۸۶۵ء کو ہوئی۔

آپ نے "مسجد جھینڈا" میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اپنی خرید کردہ زمین پر مسجد کی تعمیر شروع کرادی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا حلقہ ارادت بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا اور مخالفین کا زور بھی ہر گھڑی بڑھتا جاتا تھا۔ اب آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ "مسجد جھینڈا" کو چھوڑ کر زیر تکمیل مسجد میں منتقل ہو جانا چاہیے۔ یہ واقعہ شروع ۱۸۶۶ء کا ہے۔

غلام علیؒ سے غلام العلی

مولانا نے جہاں حیرت انگیز طور پر اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کی وہاں والدین کے رکھے ہوئے نام کو بھی بدل لیا۔ آپ کے نزدیک "عبد" کا مضاف الیہ سوائے رب العزت کے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آپ نے "غلام العلی" نام کر لیا۔ ویسے آپ اکثر کتابوں صرف اپنی کنیت ابو عبداللہ لکھتے تھے۔ جیسا کہ رسالہ "جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار" کے سرورق پر تحریر ہے:

"جناب مخدوم الانام حضرت مولانا ابوعبداللہ قصوری (عم فیوضھم) کی متبرک تحقیق"

مگر آپ آج تک "مولانا غلام علی" ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور تو اور مولانا ابوالوفا ثناءاللہ مرحومؒ بھی جو آپ کے پوتے شاگرد تھے، آپ کو غلام علی ہی لکھتے رہے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا عبداللہ غزنوی

مولانا غلام علی صاحب امرت سر کی فضا کو ایک حد تک سازگار بنا چکے تھے کہ مولانا سید عبداللہ غزنوی مرحوم امرت سر تشریف لے آئے۔ ایک روایت کے مطابق امرت سر میں ان کا ورود مولانا قصوری ہی کی تحریک پر ہوا تھا۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی (متوفی ۱۲۹۸ھ) اور ان کے صاحب زادے مولانا عبدالجبار غزنوی نے اپنی نیکی، صالحیت اور خدا پرستی کا لوگوں کے دلوں میں خوب سکہ بٹھایا۔ ان کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے اہل علم حضرات اور عوام سب اس بات پر متفق رہے کہ یہ لوگ نہایت نیک اور مخلص ہیں۔ اسی طرح مولانا قصوری سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کے اخلاص وتقویٰ کے قائل تھے۔

مولانا قصوری اور مولانا غزنوی میں باہمی یگانگت ومحبت کے باوجود دو ایک مسائل میں اختلاف بھی تھا اور وہ صرف علمی اختلاف تھا نہ کہ خلاف۔ مولانا عبداللہ غزنوی مروجہ بیعت اور الہام وغیرہ کے قائل تھے اور مولانا قصوری ان سے متفق نہیں تھے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب بنام ''**تحقیق الکلام فی مسئلۃ البیعۃ والالہام**'' لکھی۔(۱) اس کے جواب میں حضرت مولانا سید عبدالجبار غزنوی نے ''**اثبات الالہام والبیعۃ**'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کا لب ولہجہ

---

(۱) مولانا غلام العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحقیق الکلام کے دیباچہ کی ابتدا میں لکھتے ہیں کہ
''ابتداء امر میں جب اہتمام ربوبیت رب العالمین کی کفیل میری پرورش کے ہوئے میرے دل میں ایسے خیال اٹھنے لگے کہ یہ طریق پیری مریدی اور گدی نشینی کا اور یہ چار فرقہ چشتی قادری نقشبندی سہروردی اور یہ چہار مذہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کیسے ہیں اور کب سے بنے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع بنائی ہوئی ہے، یا کسی نے پیچھے سے استحداث کیے ہیں، ہر چند بحر عمیق فکر تحقیق میں غوطہ لگائے گوہر مقصود کا ہاتھ میں نہ آیا خود بخود معلوم ہو گیا کہ یہ سب بدعت اور مستحدثات ہیں۔''

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذرا سخت تھا۔ یہ کتاب مؤلف فاضل کے والد (مولانا عبداللہ غزنوی) کی نظر سے گزری تو انہوں نے اس سخت طرز تحریر کو ناپسند کیا۔

بحث اور اخلاص

جناب علامہ محمد حسین صاحب عرشی امرت سری نے اپنے ایک مقالے میں ایک شخص کی روایت کو اس طرح نقل کیا ہے:

''مولانا قصوری اور مولانا غزنوی میں بعض فروعی مسائل (بیعت وغیرہ) میں اختلاف تھا، ایک صاحب جو دونوں بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے انہوں نے ان کو اور بعض دوسرے احباب کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا اور مولانا قصوری کو پہلے سے کہہ دیا کہ فلاں اختلافی مسئلے پر آپ کے اور مولانا غزنوی کے خیالات ہم سننا چاہتے ہیں۔ گفتگو کا آغاز آپ کی طرف سے ہوگا۔ مولانا نے یہ درخواست قبول کر لی اور اس مسئلے کے متعلق تمام معلومات مطالعہ کر کے ذہن میں مستحضر کر لیں۔ راوی کے والد اس دعوت میں شریک تھے۔ راوی کو یہ باتیں اُن کی زبانی معلوم ہوئیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب مدعو حضرات خورونوش سے فارغ ہو چکے تو حسب تجویز سابق مولانا قصوری نے مولانا غزنوی سے مخاطب ہو کر کہا:

''از شما چیزے پرسیدن می خواہم'' (آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں)

حضرت غزنوی نے جواباً فرمایا:

''بلے اگر نیت بخیر باشد'' (ہاں اگر نیت بخیر ہو)

مولانا قصوری خاموش ہو گئے۔ بات آگے نہ بڑھی اور مجلس برخاست ہو گئی۔ یہ تھی جانبین کی پاک نفسی۔'' (بہ تغیر یسیر)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امرت سر سے آمدہ اہل علم حضرات میں سے اس وقت حکیم منشی مہر الدین صاحب مدظلہ العالی (بابائے نیچروپیتھی) معمر ترین بزرگ ہیں۔ اوران کے اخلاص و دیانت کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ حکیم صاحب موصوف مولانا عبدالجبار غزنوی کے درس قرآن میں بھی جاتے رہے ہیں۔ انہوں نے راقم الحروف کوایک دفعہ بتایا بل کہ لکھوایا تھا کہ مولانا قصوری اور مولانا غزنوی کو مدعو کرنے والے حافظ محمد یوسف صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ جو مولانا غلام العلی کے شاگرد اور مولانا غزنوی کے مرید تھے۔ ڈپٹی صاحب اور حکیم مہر الدین صاحب کے گہرے مراسم تھے۔ ڈپٹی صاحب مرحوم نے حکیم صاحب کو بتایا تھا کہ جب مولانا غزنوی نے ''بلے اگر نیت بخیر باشد'' کہہ کر سوال کرنے کی اجازت دی تو مولانا نے مسئلہ بیعت کے متعلق سوال کیا' مولانا غزنوی نے جواباً فرمایا:

''لطف ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نچشی''

اس کے بعد مولانا قصوری خاموش ہوگئے۔

حکیم مہر الدین صاحب کی روایت کو جناب عرشی صاحب پر اعتراض کی غرض سے نقل نہیں کیا گیا۔ بل کہ مولانا عرشی کو جو روایت نامکمل پہنچی اسے مکمل کرنا مقصود ہے۔

مولانا قصوری اور مولانا غزنوی میں جو اختلافات تھے وہ احقاق حق ہی کے لیے تھے، کوئی ذاتی جھگڑا نہ تھا، مولانا غزنوی جب تک زندہ رہے مولانا قصوری کی اقتدا میں عیدین کی نمازیں ادا کرتے رہے اور تبلیغی کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہے۔

درس وتدریس

مولانا قصوری نے اپنی مسجد میں منتقل ہو جانے کے بعد طلبہ کو باقاعدہ طور پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پڑھانا شروع کر دیا تھا۔آپ سے فیض یاب ہونے کے لیے دور دراز کے مقامات سے طلباء امرتسر چلے آتے تھے مولانا فی سبیل اللہ پڑھاتے تھے اور بیرون جات سے آئے ہوئے طلباء کے کھانے کا بندوبست آپ کے معتقدین کے ذمے تھا۔

مدرسہ تائید الاسلام

یہ مدرسہ آپ نے قائم کر کے اس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد کر دیا تھا۔خود اس مدرسہ کے ناظم تھے۔مولانا ابوالوفا ثناء اللہ بھی اس مدرسے میں کچھ عرصہ مدرس رہے تھے۔

حج

آپ اپنی عمر کے درمیانی حصے میں حج بیت اللہ کے لیے بھی تشریف لے گئے تھے وہاں مکہ معظمہ کے کسی دینی مدرسے میں آپ نے قیام کیا تھا جس کی وجہ سے وہاں کے اہل علم سے تبادلہ خیال کا خوب موقع ملا اور وہ لوگ آپ کی سادگی، نیک نفسی اور تبحر علمی کے قائل ہو گئے۔چنانچہ واپسی کے وقت ایک جم غفیر نے آپ کو الوداع کہی۔اور جب تک آپ زندہ رہے ان کی آپ سے خط و کتابت رہی۔بعض مکی حضرات نے تو محض مولانا کی ملاقات کے لیے سفرِ ہند کی تکالیف برداشت کیں۔

(ملخصا از قلمی رجسٹر مرتبہ مولانا محمد داؤد وکیل ص ۴۹)

تصانیف

مولانا کی تصانیف کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں۔اس وقت ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ نذر قارئین ہے:

1. **جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار (فارسی):**

اس رسالے میں کفار و مشرکین کی ملازمت کرنے کے جواز میں بحث کی گئی ہے۔اس رسالے کو مولانا کے برادر زادوں مولانا غلام اللہ اور مولانا ولی اللہ نے قصور سے شائع کیا تھا۔(1) پھر مصنف علام کے پوتے مولانا محمد داؤد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱) اس رسالے پر سن اشاعت تحریر نہیں ہے۔

صاحب ایڈووکیٹ قصوری نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو اخبار اہل حدیث امرتسر بابت ۱۴ جولائی تا ۲۸ جولائی ۱۹۳۹ء تین قسطوں میں شائع ہوا۔ مضمون کا عنوان ''کفار کی نوکری'' ہے۔ اس مضمون کے شروع میں مدیر ''اہلِ حدیث'' مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مرحوم کا یہ نوٹ موجود ہے:

''امرتسر میں توحید و سنت کے اول مبلغ حضرت مولوی غلام علی صاحب قصوری مرحوم ہوئے ہیں آپ ہی نے درس ترجمہ قرآن کی ابتدا کی تھی۔ آپ کا انتقال ۱۳۰۷ھ (۱) میں ہوا جسے آج پچاس سال سے زائد ہوئے ہیں۔ مگر اہل امرتسر آج تک ان کا نام اسی عزت سے لیتے ہیں جس کے وہ حقدار تھے۔ اعلی اللہ مقامه۔ آپ کے نبیرہ مولوی داؤد صاحب وکیل قصورؔ نے مرحوم کے ایک فارسی رسالہ ''جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار'' کا اردو ترجمہ بغرض اشاعت بھیجا ہے جو بعزت و احترام درج کیا جاتا ہے۔''

۲ تحقیق الکلام فی مسئلة البیعة والالھام:

اس رسالے کے متعلق وضاحت ہو چکی ہے۔

۳ رسالہ اثناعشریہ (فارسی)

یہ ۵۶ صفحات کا رسالہ ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوا۔ جس میں وظیفہ یا شیخ سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، استمداد از موتی، نداء غیب وغیرہ مسائل پر بحث درج ہے۔ اس رسالے کا جواب تحفۂ دستگیریہ کے نام سے مولانا مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم حنفی قادری نقشبندی نے لکھا۔ مولانا غلام دستگیر رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم زلف (۲) تھے اور بہت بڑے عالم اور مناظر تھے۔ حضرت مولانا خلیل

(۱) مولانا کا انتقال ۱۳۰۶ھ میں ہوا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۲) عارف باللہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری مرحوم ومغفور (متوفی ۱۲۷۰ھ)

احمد مرحوم انبیٹھوی دیوبندی سے بھی ان کا مناظرہ مختلف فیہ مسائل میں بمقام بہاولپور ۱۳۰۶ھ میں ہوا تھا۔ اس مناظرے کے حکم حضرت خواجہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ ساکن کوٹ مٹھن تھے۔ مولانا غلام دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مناظرے کے بعد "تقدیس الوکیل عن توھین الرشید والخلیل" مرتب کر کے شائع کی جس میں فریقین کی ابحاث درج ہیں۔

مولوی محمد داؤد صاحب نبیرہ مولانا غلام العلی نے لکھا ہے کہ

"مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا جواب الجواب نہیں لکھا۔ بل کہ مولانا غلام دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کے حاشیہ پر ہی ضروری نوٹ لکھ کر مولانا کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ میں نے جو کچھ حق سمجھا لکھا اور اب اس کی ضروری وضاحت کر دی ہے۔ آپ کو اختیار ہے قبول فرمائیں یا نہ۔"

◆ تذکرۃ الحق (فارسی)

مطبوعہ ۱۸۷۸ء۔ اس رسالے میں حدیث قرطاس کے متعلق بحث درج ہے۔

◆ القول المبین (عربی)

اس رسالے کا موضوع مسئلہ تقلید شخصی ہے۔ یہ رسالہ شائع نہیں ہو سکا تھا ۱۹۲۶ء میں آپ کے صاحب زادے مولوی خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم نے اس کا ترجمہ کر کے "القول المبین فی عدم و جوب التقلید" کے نام سے شائع کیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ) خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیاں تھیں، ایک کا نکاح مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا اور دوسری کا مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم (متوفی ۲۹ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ) سے۔ مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ کی ان اہلیہ کا جلدی انتقال ہو گیا۔ اور پھر دوسری شادی کی جس سے اولاد ہوئی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۶ تحریق قرآن(۱)

آپ کے زمانے میں یہ مسئلہ اٹھا تھا کہ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جلا کر پانی میں بہا دینے جائز ہیں یا نہیں؟ تحریق اوراق کے جواز میں آپ نے یہ رسالہ تحریر کیا تھا۔

۷ تفسیر قرآن:

آپ نے ایک تفسیر لکھنی شروع کی تھی جس کا آغاز سورہ کہف سے کیا۔ مگر چند سورتوں سے زیادہ کی تفسیر نہ لکھ سکے۔ یہ تفسیر آج تک شائع نہیں ہو سکی۔ اس کا مسودہ ابھی تک مولانا محمد داؤد صاحب وکیل قصور (نبیرہ مولانا مرحوم) کے پاس محفوظ ہے وہ اس کو شائع کرنے کے خواہشمند ہیں۔ مگر انہیں امراض و آلام نے مجبور و معذور کر رکھا ہے۔ بعض حضرات کے ذریعے مجھے اس بات کا علم ہوا کہ اس تفسیر میں بعض مقامات پر مولانا نے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جو مسلک جمہور سے مطابقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ایک ملاقات میں اس کی تصدیق مرحوم کے نبیرہ سے بھی ہوئی اور انہوں نے راقم کو تفسیر کا مسودہ بغرض مطالعہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

جناب خواجہ احمد الدین صاحب امرت سری نے اس تفسیر کو شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر مصنف علام کے فرزند خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم کو ان کے دوستوں نے ڈرا دیا کہ اس تفسیر میں بیسیوں ایسے مسائل ہیں جن کی اشاعت سے ایک ہیجان پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ خلیفہ صاحب نے خواجہ صاحب موصوف سے مسودہ واپس لے لیا۔ مولوی محمد داؤد صاحب نے بھی مجھے بتایا تھا کہ اس کے

(۱) مولوی داؤد صاحب وکیل نے اپنی یادداشتوں میں یہی نام لکھا ہے۔ مگر مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے "عروة المقلدين بالهام القوى المبين" (مطبوعہ ۱۳۰۰ھ) میں اس کا نام "رسالہ تحریق الاوراق" تحریر کیا ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد میں نے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا اور اس کام کے لیے تین ہزار روپے مخصوص کر لیے تھے کہ خلیفہ صاحب پھر مانع ہوئے اور مجھے سختی سے روک دیا۔

❶ قصیدہ علیا (فارسی)

منظومہ ۱۲۹۸ھ یہ پچاس اشعار پر مشتمل قصیدہ حمد خدا ونعت مصطفےٰ ﷺ پر مشتمل ہے۔ مولانا شاعر نہ تھے۔ مگر طبع موزوں تھی، ضرورتاً شعر کہہ سکتے تھے۔ یہ قصیدہ اخبار "اہل حدیث" امرتسر بابت ۴ دسمبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں قارئین کرام کو ان میں سے مولانا کے افکار وخیالات تلاش کرنے چاہئیں نہ کہ شاعرانہ نزاکتیں اور لطافتیں۔

سزد بحمد وثنا آں الٰہ بے ہمتا — کہ کرد خلعت انسانیم بلطف عطا
سپس بجوہر اسلام گوہرم آراست — باب امت مصطفویم فزود صفا
بدار دولت دیں مولدم عطا فرمود — بخان[1] ودودۂ دانش فزود نشو ونما
زظلم وظلمت جہلم بفضل دادنجات — زنورِ علم وعمل کرد گوہرم یکتا
زتیہ[2] کفر وضلالت زراہ فسق وفجور — بہ پیری وبجوانی بری نمود وجدا
بجاں نفورز اہل مذاہب شتیٰ[3] — کہ غرق بحر ضلالند وحرقِ نارِ ہوا
حنیف وما ہلم از ہر طریق ہم چو خلیل — مطیع ظاہر قرآں تبیع سنن ہدیٰ
نہ شافعی ونہ حنفی نہ مالکی مذہب — نہ نقشبندی وچشتی ونے کذا وکذا
ملقبم بہ مسلمان ودین من اسلام — امام ومرشد من بس بود رسول ورا
محمدِ عربی، ہاشمی ومطلبی — کسے کہ خاک درش نیست شد بہا دفنا

آخری شعر ہے:

بصدر جائے پذیرائی وامید قبول
رساں بختم کنوں ایں قصیدہ علیا

(۱) خاندان (۲) بادیہ (۳) پریشان واختلاف پسند

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا فن تاریخ گوئی سے بھی شغف رکھتے تھے۔ اسی قصیدہ کے آخر میں دو شعر تاریخی لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

بگو بجمع دلِ[1] سال سال اتمامش
''کنوں تمام شدہ ایں قصیدہ علیا''
۹۸ ھ ۱۲

ایضاً

سروش گفت زغیبم بگوشم ایں تاریخ
عجیب نعت چہ شد ایں قصیدۂ علیا
۹۸ ھ ۱۲

9. مولانا نے علامہ ابن تیمیہ کے ایک رسالے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا جس کا نام ''عقیدہ حمویہ'' ہے۔ یہ ترجمہ لاہور سے شائع ہوا تھا۔

10. التسو یدفی ترجمۃ قول السدید (فارسی)

یہ ایک عربی رسالے کا ترجمہ ہے جو ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے مطبع بحرالاسلام بنگلور میں طبع ہوا ہے۔ مولانا صاحب نے اس رسالے کے آغاز میں لکھا ہے:

''دریں ایام رسالہ ''القول السدید فی مسائل الاجتهاد والتقلید'' تصنیف عالم ربانی مفسر کتاب رحمانی محدث احادیث نبی الکریم محمد عظیم مکی حنفی ابن ملا فروغ ابن عبدالحسن رومی موروی از دست دوستے بدست ایں فقیر رسید پس فقیر بمطالعہ اش خط وافر کشید چوں دیدم کہ کتابیست عجیب و خطابیست غریب و از دقت عبارت دست فہم عوام بل اخص خواص ازاں کوتاہ است خواستم کہ ایں فائدہ عام شودو فائدہ تام...... لہٰذا بعبارت فارسی ترجمہ نمودم ہر چند نسخہ صیحہ دیگر دستیاب نشد کہ بہ تصحیح عبارتش پرداختہ آید اما بجدّ وکدّ تمام حتیٰ

(۱) یہاں کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مصرع بے وزن ہو رہا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الوسع در تصحیح عبارت کوشیدم اگر کسے از اہل تحقیق خطایا بدر اصلاح کو
شد و اگر اصلاح نتواند بپوشد و ایں ترجمہ موسوم گشت بہ "التسوید
فی ترجمة قول السدید" وما توفیقی الا باللہ' الأن نشرع
فی المقصود و مستعینا بفیاض المودود۔"

مولانا نے رمضان ۱۲۷۸ھ میں یہ ترجمہ مکمل کیا۔

تلامذہ

اس وقت آپ کے تلامذہ کی فہرست پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے کیونکہ اس عہد کے لوگوں نے آپ کے حالات محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ مرحوم کے نبیرہ نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات جو ایک ضخیم قلمی دفتر میں جمع کر رکھے ہیں، یہ ذخیرۂ نوادر راقم آثم کے پیش نظر ہے۔ مگر اس سے بھی کچھ مدد نہیں مل سکی۔ جن چند ایک اہل علم کا آپ سے شرفِ تلمذ مشہور ہے، ان میں سے سر فہرست مولانا میر احمد اللہ کاشمیری ثم امرت سری (جو مولانا ثناء اللہ مرحوم کے استاد اور امرت سر کے رئیس اعظم تھے) کا نام آتا ہے۔ مولانا میر احمد اللہ کا انتقال ۱۴ فروری ۱۹۱۸ء کو ہوا۔

جناب خواجہ احمد الدین صاحب امرت سری مرحوم بھی آپ کے خاص مقربوں اور شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ بھری مجلس میں فرمایا:

> "میری جسمانی اولاد میں تو میرا صحیح جانشین کوئی نہیں البتہ میری روحانی اولاد میں (خواجہ صاحب کی جانب اشارہ کر کے) یہ شخص ہے"(۱)

جناب خواجہ صاحب کے حالات زندگی ان کے فرزند جناب خواجہ ضیاء اللہ مرحوم نے لکھے جو "بلاغ" امرت سر میں خواجہ احمد الدین نمبر کی صورت میں شائع ہوئے تھے۔ اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے اس نمبر سے بعض ضروری سطور نقل کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) بلاغ، امرت سر، خواجہ احمد الدین نمبر بابت ستمبر ۱۹۳۶ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''معجزہ قرآن کی تدوین سے چند سال قبل خواجہ صاحب بلحاظ عقیدہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے، اور بالخصوص مولوی ثناء اللہ صاحب سے انہیں بہت محبت تھی۔ چنانچہ جب سید جماعت علی شاہ صاحب کے حامیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی تو خواجہ صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی ہر طرح سے امداد کی۔ جن دنوں مولوی ثناء اللہ صاحب کے بعض عقائد کے خلاف علماء اہل حدیث نے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اس زمانہ میں بھی خواجہ صاحب مولوی صاحب کی حمایت کرتے رہے۔''(۱)

مگر بعد میں احادیث کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہو گئے اور علماء ان کے شکوک رفع نہ کر سکے تو آپ کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ

''حدیث ہرگز ہرگز حجت شرعی نہیں ہو سکتی۔ البتہ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ اس میں جو باتیں احسن و اہدیٰ ہوں ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' (بلاغ، امرت سر، خواجہ احمد الدین نمبر، بابت ستمبر ۱۹۲۰ء)

خواجہ صاحب کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) خیر کثیر در اثبات وجود رب قدیر
(۲) مباحثہ گوشت خوری
(۳) معجزۂ قرآن
(۴) قرآن مجید و رسول حمیدؐ
(۵) برہان القرآن
(۶) اصل مطاع
(۷) ریحان القرآن

---

(۱) بلاغ، امرت سر، خواجہ نمبر ص ۱۸

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۸) تفسیر بیان للناس:

یہ ۲۴ پاروں کی تفسیر ہے۔ یہاں تک پہنچے تھے کہ بیمار ہو گئے اور ۱۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

آپ کے تیسرے مشہور شاگرد مولوی عبیداللہ بسمل امرت سری ہیں۔[1] مولانا غلام اللہ قصوری پروفیسر چیفس کالج لاہور اور مولانا ولی اللہ (صاحب تذکرہ کے بھتیجے) نے بھی آپ سے اکتساب علم کیا۔

جرأت رجوع

مناظرے باز مولویوں میں سے اکثر کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ جس بات پر اڑ گئے اڑ گئے اور ان کی یہ ہٹ دھرمی ان کو اور ان کے متبعین و مقلدین کو قعر چاہ ضلالت میں غرق کر دیتی ہے۔ قوم کے وقار اور شیرازہ بندی کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

مولانا غلام العلی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی ودیعت کر رکھی تھی کہ ان سے اگر کسی مسئلے میں اجتہادی غلطی ہو جاتی اور دوسرے علماء ان کو اس سے رجوع کرنے کو کہتے اور اگر ان کا مشورہ صائب ہوتا تو بلا تاخیر تسلیم کر لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

”رجوع کو موجب شکست نہیں سمجھنا چاہیے۔ تحقیق حق مطلوب و مقصود ہونی چاہئے۔ انسان خاطی ہے۔ اجتہادات اور تحقیقات پر

(۱) یہ حضرت خواجہ مظہر جمال رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت امام علی شاہ اثر چھتروی رحمۃ اللہ علیہ) کے دوسرے فرزند تھے۔ بسمل صاحب نے مولانا غلام لعلی رحمۃ اللہ علیہ سے بسم اللہ شروع کی اور ان ہی سے عربی پڑھی ان کے اثر صحبت سے اہل حدیث مسلک اختیار کر لیا۔ پھر امامیہ مذہب پسند آ گیا۔ اس کے بعد مرزا صاحب قادیانی کے پیروکار بن گئے اور قادیان جا ڈیرا لگایا۔ اور ۲۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو فوت ہو کر قادیان ہی میں مدفون ہوئے۔ بسمل صاحب بہت زیادہ وسیع المطالعہ انسان تھے۔ ان کی تصانیف میں سے ”ارجح المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب“ مشہور و مقبول ہے۔ اس کے علاوہ مسدس بسمل اور خاتم النبیین بھی آپ کی یادگاریں ہیں۔ (ملخصاً از تاریخ قبیلہ ککے زئیاں مؤلفہ غلام کبریا خاں)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نازاں نہیں ہونا چاہیے۔'' (قلمی رجسٹر ص ۴۹)

مولانا کے رجوع کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مسئلے میں آپ نے جمہور کے خلاف فتویٰ دیا اور آپ کے متبعین ایک سال تک اس پر عمل پیرا بھی رہے۔ مگر بالآخر آپ کو متحقق ہوا کہ میں غلطی پر ہوں۔ تو آپ نے اس کا اظہار برسر منبر کیا۔ اور خداوند تعالیٰ سے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ معافی چاہی۔

مرزا صاحب کے متعلق پیش گوئی

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ''براہین احمدیہ'' کی پہلی جلد شائع کی تو اس کا ایک نسخہ مولانا قصوری کے پاس بغرض تقریظ بھیجا۔ مولانا نے اسے اول سے آخر تک پوری توجہ سے پڑھا اور خطبہ جمعہ میں اعلان فرمایا:

> ''عنقریب یہ شخص دعوائے مسیحیت کرے گا اور مخلوق الٰہی کے لیے فتنہ عظیم سے کم نہ ہوگا۔ پس اے لوگو! اس سے بچنا اور اس کے دام تزویر میں نہ پھنسنا!'' (قلمی رجسٹر ص ۴۹)

جناب عرشی کے مضمون سے استفادہ

راقم الحروف سے قبل جناب علامہ محمد حسین صاحب عرشی مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اپنے مخصوص انداز میں روزنامہ ''امروز'' لاہور بابت ۱۰ و ۱۷ جون ۱۹۶۲ء میں شائع کرا چکے ہیں۔ ذیل میں اس مضمون سے ایک واقعہ من و عن نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

سجدۂ آدم

''خواجہ صاحب (احمد الدین) فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے مولانا قصوری سے پوچھا کہ غیر اللہ کو سجدہ قطعی ممنوع ہے پھر فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس پر مولانا نے وہی جواب دیا جو عام تفاسیر میں مرقوم ہے۔ اس پر میری تسلی نہ ہوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور میں نے عرض کیا کہ

"میرے خیال میں "فسجدوا لآدم" میں تعلیل کا ہے۔ یعنی فرشتوں نے آدم کے لیے (آدم کی شان میں جو کلمات وہ کہہ چکے تھے ان کی تلافی کے طور پر) سجدہ خدا کو کیا۔ کیوں کہ مسجود حقیقی خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس لیے یہاں اس کو مقدر مان کر خود ہی سمجھ لینا چاہیے۔"

میرے اس اظہار پر مولانا نے ذرا جوش سے فرمایا:

"تم وہ بات کہہ رہے ہو جو آج تک کسی کو نہیں سوجھی۔"

یعنی تمہارا خیال قطعاً غلط ہے۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر (جس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر سے کھلتا تھا) چلے گئے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اختلاج القلب کا مزمن عارضہ تھا۔ اس وجہ سے جب بے بس ہو کر جلال و جوش میں آتے تو اپنے آپ کو اعتدال پر لانے کے لیے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ بھی آپ کا اخلاقی کمال تھا۔ چنانچہ وقفے کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور اطمینان سے بیٹھ کر فرمایا:

"احمد الدین! نیت تو تمہاری نیک ہی ہے۔ تم نے توحید ہی کی حمایت کے لیے یہ انوکھا خیال قائم کیا ہے۔"

بعد میں خواجہ صاحب نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا اور اجماع مفسرین کے ہم نوا ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ان کی مطبوعہ تفسیر سے بھی ظاہر ہے۔ انہوں نے اس کے جواز میں ایسے دلائل قائم کیے جن سے ہر قسم کے شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔"

دو منبر

مولانا کی مسجد میں دو منبر ہوتے تھے۔ ایک منبر پر قبل نماز جمعہ قرآن مجید کی تفسیر اور دوسرے پر نماز کے بعد حدیث شریف کی تشریح فرمایا کرتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اولاد

مولانا قصوری کے دو صاحب زادے تھے۔ مولوی حافظ عبیداللہ صاحب مرحوم ومولوی خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم۔ مولوی عبیداللہ مرحوم دائم المرض اور مدقوق تھے۔ یہ اپنے والد ماجد کی رحلت کے ایک ہفتہ بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تھے۔ ان کی یادگار مولانا مولوی محمد داؤد صاحب ایڈوکیٹ قصوری ہیں۔ ان کی زندگی بھی نہایت عبرت انگیز ہے۔ مولانا محمد داؤد صاحب مدظلہ نے اس جہان رنگ و بو میں قدم رکھا ہی تھا کہ ان کی والدہ ماجدہ (زچگی کے صرف ایک گھنٹہ بعد) ملک بقا کو سدھار گئیں۔ قریباً چار سال کے تھے کہ اپنے جد امجد اور والد ماجد مولوی حافظ عبیداللہ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اس یتیم بچے کی تعلیم و تربیت سوتیلی والدہ اور دادی کی زیرنگرانی ہوئی اور خوب ہوئی۔ دین اور دنیا کا علم حاصل کیا۔ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی، پھر وکیل بنے۔ آپ کے تین صاحب زادے ہیں:

جناب محمد مسعود صاحب، جناب محمد مقبول صاحب، جناب صفی اللہ صاحب اور ایک صاحبزادی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کی روایات قائم رکھنے کے لیے مولانا محمد داؤد صاحب کی اولاد میں سے کسی کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین ثم آمین!

مولانا قصوری کے دوسرے صاحب زادے جناب مولوی خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم اہل حدیث کی عیدگاہ امرت سر کے امام تھے۔ ان کا انتقال ۶ فروری ۱۹۳۴ء منگل کے دن ہوا۔

وفات

حضرت مولانا قصوری استسقاء کے عارضے میں مبتلا رہ کر ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۰۶ھ بروز جمعرات مطابق ۱۸۸۹ء اس جہان فانی سے عالم جاودانی میں منتقل ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نماز جنازہ قلعہ کے میدان میں پڑھی گئی۔ ہزاروں آدمی شریک جنازہ ہوئے۔ دور دراز کے علاقوں سے لوگ اس نیک انسان کو الوداع کہنے کے لیے امرت سر پہنچ رہے تھے۔اس لیے تین بار نماز جنازہ ہوئی۔

مدفن

آپ نے وصیت کی تھی کہ میری قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور عام قبروں کے ساتھ مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ حسب وصیت گورستان بلا کا سنگھ امرت سر، بیرون خزانہ گیٹ، متصل جنازگاہ مدفون ہوئے۔

قطعات تاریخ وفات

مولانا قصوری کے انتقال پر ملال پر امرت سر کے جن شعراء نے تاریخیں کہیں ان کے نام یہ ہیں:

جناب میر کرامت اللہ میر [1] مرحوم فرزند جناب میر اسد اللہ صاحب مرحوم آنریری مجسٹریٹ ورئیس امرت سر۔

حکیم مطیع اللہ صاحب مطیع اور حکیم خیرالدین صاحبؒ۔

ان میں سے میر نزاکت اللہ صاحب کے قطعات زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔اس لیے انہیں یہاں درج کیا جا رہا ہے:

---

(۱) آپ مولوی محمد الدین صاحب فوقؔ مصنف روضۃ الادبا پروفیسر اورنٹیل کالج کے شاگرد تھے۔ بعارضہ فالج ۱۹۳۱ء میں فوت ہوئے۔ جناب منشی غلام قادر فرخؔ مرحوم امرت سری (متوفی ۱۹۵۸ء) نے تاریخ کہی:

قید غم سے ہوا رہا ایک دوست ۔۔۔ دام حسرت میں دل اسیر ہوا
صرصر مرگ آئی فرخ "آہ ۔۔۔ گل چراغ حیات میر ہوا"

۱۹۳۱ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دریغ خادم شرع نبی غلام علیؒ
ازینجہاں چوں بہ خلد بریں روانہ شدہ

زدرد فرقت رنج جدائیش ہر دم
ہزار اشک زچشم نمیں روانہ شدہ

پدر برفت و پسر نیز رفت براثر ش
زمانہ گفت کہ ہادی دین روانہ شدہ

نوشتم از سر کلفت بہ معجمہ اے میر
''فرشتہ بفلک ازز میں روانہ شدہ''

۲۰ ۱۳۰۶ھ

ایضاً

سوئے دارالسرور ازدار علت
دریغا نکتہ دان و باخبر رفعت

یکے بادیگرے میگفت صدحیف
چہ گویم پیرو خیر البشر رفت

پسر جائے پدر گویند گیرد
پدر را ہفتہ شد، ہے ہے پسر رفت

نو شتم میر سال فوت ہر دو
''زاستقا پدر ازدق پسر[1] رفت''

۱۸۸۹ء

ایک قطعہ کا مادہ یہ ہے:

شب آدینہ شہر شعبان

۱۳۰۶

حکیم مطیع اللہ صاحب مطیع امرت سری کے طویل قطعہ وفات کا مصرع تاریخ یہ ہے:

''حق گو ہوا فوت آہ حسرت''

۱۳۰۶

ماخذ

جناب مولوی محمد داؤد صاحب وکیل ساکن قصور ضلع لاہور کا نہایت درجہ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی قلمی تحریریں اور اپنا مرتب کردہ ضخیم رجسٹر نیز

(۱) قطعات میں ''پسر'' سے مراد مولوی حافظ عبیداللہ ہیں جو والد کی وفات کے ایک ہفتہ بعد فوت ہوئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیگر نوادر میرے حوالے کر دیے۔ میں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اگر یہ مواد مجھے میسر نہ آتا تو میں ہرگز یہ مضمون مرتب نہ کرسکتا۔ جناب عرشی صاحب مدظلہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ ان ہی کے ذریعے مولوی داؤد صاحب سے رابطہ پیدا ہوا اور ان کے مضمون سے بھی استفادہ کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اس کے علاوہ کتاب "حالاتِ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" تصنیف مولوی محمد حسن۔ تاریخ قبیلہ ککے زئیاں۔ تذکرہ مشائخ بگوی مؤلفہ مولانا ظہور احمد مرحوم بگوی۔ ماہنامہ بلاغ، امرت سر، خواجہ نمبر بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء، انوارِ آفتابِ صداقت مؤلفہ قاضی فضل احمد لدھیانوی اور شمع توحید مصنفہ جناب مولانا ثناء اللہ مرحوم امرت سری سے خاص طور پر مضمون کی تیاری میں مدد ملی۔

(رسالہ بصائر، کراچی، جنوری ۱۹۶۳ء، جلد ۲، ش: ۱، مرتبہ سید معین الحق)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت مولانا مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

سری نگر کشمیر میں حضرت شیخ محمد نامی ایک بزرگ گزرے ہیں ان کے پانچویں صاحب زادے شیخ اسماعیل بھائی [1] ساکن محلہ احمد اکدل (سری نگر) کے فرزند دوم شیخ قاسم بھائی کی اولاد قاسمی پیرزادگان کے نام سے موسوم ہے شیخ قاسم بھائی کے فرزند پیر ہدایت اللہ اور ان کے فرزند شیخ عنایت اللہ قاسمی مدفون محلہ احمد اکدل تھے۔ان کے (شیخ عنایت اللہ کے) دو صاحب زادے تھے:

1. بابا پیر امیر الدین قاسمی متوفی ۱۲۸۰ھ
2. بابا پیر صدیق اللہ قاسمی

یہ دونوں بھائی کشمیر سے ہجرت کر کے امرت سر میں مقیم ہو گئے تھے اور یہیں وفات پا کر دفن ہوئے۔

بابا پیر امیر الدین صاحب کے تین صاحب زادے تھے:

1. مولانا پیر عبد العزیز قاسمی
2. مولانا پیر مفتی غلام رسول قاسمی
3. مولانا پیر عبد القدوس قاسمی رحمۃ اللہ علیہم

صاحب تذکرہ مولانا مفتی پیر غلام رسول صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ المعروف مولوی

---

(۱) بھائی لفظ کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں، کوئی کہتا ہے: ان سب بھائیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اس لیے وہ بھائی کہلانے لگے۔کوئی اس لفظ کو ان کی باہمی برادرانہ محبت پر محمول کرتا ہے۔لیکن بہر حال وجہ کوئی ہو، اصل لفظ بھائی یا بہائی نہیں، بل کہ ''بوئی'' ہوگا، جو کشمیری زبان میں بھائی کا مترادف ہے۔بوئی سے بگڑ کر بھائی ہو گیا ہوگا۔(تاریخ اقوامِ کشمیر)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسل (۱) بابا امرت سر ہی میں پیدا ہوئے اور ابھی بچے ہی تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔آپ نے اپنی والدہ ماجدہ (جو بڑی صالحہ عابدہ اور خدا پرست خاتون تھیں) اور برادر بزرگ مولانا عبدالعزیز قاسمی متوفی ۱۲۹۹ھ کے سایہ عاطفت اور نگرانی میں پرورش وتربیت پائی۔قرآن مجید، فارسی اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے برادر اکبر موصوف سے پڑھیں۔اس کے بعد اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ اقارب سے ملاقات کے لیے کشمیر جانا ہوا تو وہاں قریباً تین سال تک اقامت پذیر رہے اس دوران میں کشمیر کے مشہور علماء مولانا مفتی عزیز الدین صاحب متوفی ۱۳۱۴ھ اور مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب پاندانی متوفی ۱۲۸۳ھ سے صرف ونحو اور فقہ کی باقی کتابیں پڑھیں۔

امرت سر واپسی

سلسلۂ تعلیم یہاں تک پہنچا تھا کہ امرت سر واپس تشریف لے آئے اور یہاں مولانا قطب الدین صاحب سے کچھ عرصہ تک پڑھتے رہے۔اس کے بعد حضرت مولانا قاری عبدالعلی صاحب سے استفادہ کیا۔ان ہی دنوں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پشاور سے آکر امرت سر مقیم ہو گئے تو آپ نے ان سے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔تکمیل تعلیم کے بعد سند حاصل کی۔

علمی خدمات

آپ کے اکثر اوقات درس وتدریس، مطالعہ اور فتویٰ نویسی میں گزرتے تھے۔قدرت کی طرف سے اعلیٰ درجے کی قوت حافظہ عطا ہوئی تھی۔ذہانت و فطانت میں یکتائے روزگار تھے۔حقائق و معارف کا استحضار بے مثال تھا۔اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ تفسیر، قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، منطق، فلسفہ، صرف ونحو،

(۱) ''بابا'' کشمیر میں کسی خاص قوم یا عمر کے لحاظ سے نہیں بولا جاتا تھا، بل کہ اہلِ علم اور نیک و پارسا لوگوں کو ''بابا'' یا ''شاہ'' کے معزز ناموں سے یاد کیا کرتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معانی و بلاغت ہیئت و ہندسہ، تصوف و طب؛ غرض تمام علوم وفنون کی کتابیں نہایت بے تکلفی اور خوبی وعمدگی سے پڑھاتے تھے۔ بالخصوص علم منطق پر کامل عبور تھا۔

روایتِ حسن

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرت سری ثم لاہوری دامت برکاتہم راوی ہیں کہ ان کے استاد حضرت مولانا محمد معصوم صاحب ہزاروی جو حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے فرمایا کرتے تھے کہ

"منطق پڑھنے کو تمام علماء پڑھتے ہیں لیکن قوانین شریعت کے ماتحت اسے استعمال کرنا مولانا غلام رسول قاسمی کشمیری امرت سری ہی کا حق ہے۔"

حضرت مولانا محمد معصوم کے اس ارشاد کی صداقت مولانا غلام رسول قاسمی کی تصنیف لطیف "الالہام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح"[1] کے مطالعے سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔

غرض حضرت مفتی صاحب قاسمی کی زندگی کا بیش تر حصہ علوم وفنون کے پڑھنے پڑھانے میں صرف ہوا۔ بیس پچیس اسباق طلباء کو مسجد میاں محمد جان مرحوم میں بغیر کسی تنخواہ اور معاوضے کے پڑھاتے تھے۔ اس للّٰہیت اور شغف کا یہ اثر تھا کہ متحدہ ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں کے علاوہ بیرون ہند ایران، افغانستان، بدخشاں اور بخارا تک کے طلبا کھنچے چلے آتے[2] اور حضرت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

علم کا احترام

طلباء سے شفقت ومحبت کا برتاؤ فرماتے لیکن اگر کسی طالب علم میں گستاخی

(۱) یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ حکیم طغرائی کے کتب خانے میں موجود تھی۔ (فیض الاسلام)

(۲) تاریخ اقوامِ کشمیر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پاتے تو اسے سزا بھی دیتے تھے۔ایک مرتبہ ایک طالب علم کو دیکھا کہ سر کے نیچے کتاب رکھ کر لیٹا ہوا ہے تو حضرت مفتی صاحب علم کی اس تحقیر کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ اس طالب علم کو جسمانی سزا بھی دی اور فہمائش بھی کی۔

فتویٰ نویسی

درس و تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کو بہت زیادہ کرنا پڑتا تھا۔ ہند اور بیرون ہند سے جس قدر استفتاء آتے آپ اپنے دست مبارک سے سب کا جواب خود تحریر فرماتے ۔فتویٰ نویسی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

ایک اہم رائے

حضرت شیخ المشائخ میاں علی محمد صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین بسی نو (ہوشیار پور) مقیم حال پاک پٹن جو علوم ظاہری و باطنی میں باکمال بزرگ ہیں امرت سر میں ہمارے غریب خانے پر قیام فرماتے تھے تو کسی بات پر علمائے امرت سر پر گفتگو شروع ہو گئی تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا:

> ''امرت سر میں جیسے باکمال مفتی مولانا رسل بابا صاحب ہوئے ہیں ان کی نظیر نہیں۔'' (بلفظہٖ بقدرِ حافظہ)

خطابت

آپ ہر جمعہ کو مسجد خان بہادر میاں محمد جان مرحوم میں خطبہ دیتے تھے۔وعظ میں اصلاح عقائد و اعمال پر زور دیتے تھے۔ پیشہ ور واعظوں کی طرح عوام کو خوش کرنا مقصود نہ تھا بلکہ آپ کا وعظ مصلحانہ اور عالمانہ ہوتا تھا۔

مولانا عبدالحی کی سند

آپ کے علمی مرتبے کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ بہت کافی ہے کہ حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی نے آپ کی علمی قابلیت پر خوش ہو کر آپ کو تمام علوم کی سند ارسال فرمائی تھی۔ باوجودے کہ آپ نے علامہ عبدالحی کو نہ دیکھا اور نہ ان سے کچھ پڑھا۔

بیعت

آپ حضرت خواجہ دین محمد صاحب عرف حضرت ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ نور محمد صاحب عرف حضرت باباجی صاحب تیراہی نقشبندی مجددی چوروی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ کو سلاسل اربعہ کی اجازت اور سند خلافت عطاء ہوئی۔

تصانیف

مذکورہ بالا مشاغل بجائے خود بہت کافی تھے لیکن مولانا قاسمی ایک عالی ہمت اور باعزم انسان تھے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی تاکہ دین کی خدمت کا یہ گوشہ بھی خالی نہ رہے چنانچہ آپ نے حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

1. تحقیق المرام فی منع القراءۃ خلف الامام (عربی)

یہ کتاب دو دفعہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے پہلی بار بغیر ترجمہ کے شائع ہوئی تھی، دوسری بار آپ کے شاگرد رشید مولانا نور بخش صاحب ایم اے توکلی مرحوم سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور ومصنف "تحفہ شیعہ" کے اردو ترجمہ کے ساتھ بسعی مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی چھپی تھی۔

2. الالہام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح (عربی)

یہ نہایت فاضلانہ کتاب 1311ھ میں شائع ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی جو مصنفِ علّام کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

برادرزادہ اور شاگرد تھے، کے قلم سے شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب مفتی غلام رسول صاحب نے مرزا صاحب قادیانی کے رد اور مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کے اثبات میں تحریر فرمائی تھی جو نہایت فاضلانہ کتاب ہے۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب امرت سری خطیب مسجد شیخ بڈھا مرحوم کے زیر ہدایت یہ کتاب مدرسہ نعمانیہ امرت سر کے طلبہ کو درساً پڑھائی جاتی تھی کیونکہ ان دنوں قادیانیوں کا پروپیگنڈا شباب پر تھا۔ اس علمی کتاب کو وہی طلبہ پڑھتے تھے جن کی منطقی تعلیم کم از کم رسالہ ''میر زاہد'' تک ہوتی تھی۔

◆ ۳ اتفاق البررۃ التقی علی ان سُنّۃ الجمعۃ لا تُقضی۔

اس رسالے میں سنت قبل جمعہ کی نسبت یہ ثابت فرمایا کہ جب وہ اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکیں تو پھر ان کی قضا نہیں ہے ہاں اگر بعد میں پڑھی جائیں تو ان کی حیثیت سنت کی نہیں بل کہ نفل کی ہو گی۔ اس رسالے کی تصنیف کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اس زمانے میں امرت سر کے عوام کے درمیان اس مسئلے پر بہت جھگڑے ہوتے تھے اور شہر کی فضاء مکدر ہو گئی تھی۔ اس رسالے کی اشاعت سے فضاء پُرسکون ہو گئی۔ رسالہ ہذا کے آخر میں ہندوستان اور مکہ مکرمہ کے اکابر علماء کرام کی تصدیقات مندرج ہیں جن میں حضرت مولانا حاجی [1] رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ شریف اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان مطبوعہ رسائل کے علاوہ آپ کی بعض غیر مطبوعہ قلمی تصنیفات بھی تھیں لیکن

(۱) راقم نے مولانا غلام قادر صاحب قادری مرحوم جو حضرت قاسمی کے شاگرد تھے کی زبانی سنا ہے کہ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب نے ہجرت کی تو رات مسجد امرت سر مسجد میاں محمد جان میں گزاری تھی اور پوشیدہ طور پر نکل گئے حاجی صاحب کے قیام کی وجہ سے حکومت نے مولانا قاسمی سے پوچھ گچھ کی تھی۔ قاسمی صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ مسجد میں کوئی بھی آ کر رہ سکتا ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے وارثوں نے یہ قیمتی ذخیرہ کسی کتب فروش کو دے دیا۔ ان تصنیفات میں ایک رسالہ (1) امکان وامتناع نظیر کے مسئلے کے متعلق تھا (2) حواشی قاضی مبارک (3) حواشی شرح ملا جامی (4) متفرق مضامین مجموعہ ان علمی جواہر کا ضیاع ایک المناک حادثہ ہے۔ کتاب ''محبوب الفقہ'' اردو ترجمہ مطبوعہ جے۔ ایس سنت سنگھ لاہور کے آخر میں مولانا غلام رسول صاحب قاسمی کے طویل عربی فتوے کا ترجمہ شامل ہے۔ جس کی تصدیقات مولانا غلام قادر صاحب بھیروی اور مولانا فتح محمد صاحب جالندھری نے لکھی ہیں۔

علمی اداروں کی سرپرستی

درس وتدریس اور فتوی نویسی اور تصنیف وتالیف کے علاوہ علمی اداروں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ بعض اراکین انجمن اسلامیہ امرت سر کی درخواست پر آپ نے انجمن کے مدرسہ دینیات کی عمر پرستی فرمائی اور مورخ اسلام شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی دعوت پر آپ نے ندوۃ العلوم (لکھنؤ) کے اجلاس کلکتہ کی صدارت فرمائی۔ مسلمانان کلکتہ اور علما نے آپ کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ اجلاس میں آپ نے بصیرت افروز عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کو اکابر علماء نے بہت ہی پسند فرمایا۔

ندوہ سے علیحدگی

کچھ عرصہ بعد آپ نے اختلاف مسلک کی بنا پر ندوۃ العلماء کی تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی تھی لیکن اختلاف کو اختلاف ہی کی حد تک رکھا اس کو مخالفت و مخاصمت کا رنگ نہیں دیا صرف علیحدگی پر قناعت فرمائی۔ ندوہ کے مخالف علماء کے ایک اجلاس میں مولانا غلام رسول قاسمی کو شمس العلماء کا معزز خطاب بھی دیا گیا تھا۔

مسلک

حضرت مولانا قاسمی حنفی المذہب اور صوفی مشرب تھے لیکن طبیعت میں تشدد نہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا افراط و تفریط سے بہت زیادہ اجتناب فرماتے تھے، دیو بندی، بریلوی جھگڑے کو پسند نہ فرماتے تھے اگرچہ علمائے دیو بند سے بعض مسائل میں آپ کو اختلاف تھا لیکن علمائے دیو بند سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ امرت سر میں حضرت مولانا گنگوہی کی تکفیر کا غلغلہ بلند ہوا اور بہت ہی شدت اختیار کر گیا۔ ایسی فضا میں حضرت قاسمی نے جرات سے کام لے کر جلسہ عام میں لوگوں کے اس رویے کی شدید مذمت کی اور فرمایا کہ

"میں مولوی رشید احمد صاحب کا نہ شاگرد ہوں، نہ استاد، نہ مرید ہوں، نہ پیر میرا ان سے کوئی تعلق نہیں لیکن آخر وہ ایک عالم ہیں اور ایک عالم کی اس طرح توہین و تکفیر ہرگز جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔"

مولانا قاسمی کے ان ارشادات کا بہت اچھا اثر ہوا۔ امرت سر کی فضا میں امن و سکون پیدا ہو گیا۔

حلیہ و لباس

حضرت مفتی غلام رسول صاحب نہایت وجیہ اور خوب صورت تھے ہزاروں میں بیٹھے ہوئے اپنے حسن خداداد کی وجہ سے پہنچانے جاتے تھے۔ دراز بینی، کشادہ پیشانی اور خوب صورت داڑھی مردانہ حسن کا پتہ دیتی تھی۔ اس پر آپ کی خوش پوشی سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ موسم گرما میں مَل مَل کی پگڑی یا پشاوری لنگی اور موسم سرما میں پشمینے کا عمامہ زیب سر فرماتے، چلنے میں رفتار متوسط درجے کی اور باوقار تھی۔ انداز گفتگو نہایت بارُعب لیکن دل کو لبھانے والا ہوتا۔

وفات

جب آپ کی عمر مبارک سنت کے موافق 63 سال کی ہوئی تو آپ پر اس مرض کا حملہ ہوا جو بہ فرمان رسول اکرم ﷺ "مرض طاعون سے مرنا مومن کے لیے شہادت ہے" آپ کے ایک شاگرد حکیم غلام رسول صاحب مرحوم شب و روز خدمت میں حاضر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رہ کر علاج کرتے رہے جس کے نتیجے میں افاقہ بھی ہو گیا لیکن بظاہر بے احتیاطی اور بہ باطن مشیت ایزدی کے سبب مرض بے قابو ہو گیا۔

انتقال سے کچھ دیر پہلے امرت سر کے بعض علماء موجود تھے حضرت مولانا نور احمد صاحب خطیب مسجد شیخ بڈھا وحشی مکتوبات مجدد الف ثانی نے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع فرمائی جب آپ آیت ''و من نُعمرهُ ننكسه فی الخلق'' پر پہنچے تو حضرت قاسمی نے مولانا نور احمد صاحب کو روک کر اور خود اس آیت کو پڑھ کر اس کا ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر بیان فرمائی اور اس کے بعد سورۃ کا باقی حصہ پڑھنے کے لیے مولانا کو کہا۔ آخر چند گھنٹوں کے بعد اس فاضل بے مثال نے 7 رمضان المبارک 1320ھ مطابق 8 دسمبر 1902ء کو پیر کے دن بہ وقت سحر اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ انا للّٰہ و انا الیه راجعون۔

خبر رحلت

آپ کے انتقال پر ملال کی خبر شہر، ملحقہ دیہات بل کہ دوسرے شہروں میں بھی بجلی کی طرح دوڑ گئی حضرت پیر عبدالغفار شاہ صاحب کشمیری ساکن تکیہ سادھواں لاہور جو بہت بڑے خدا پرست اور صالح بزرگ تھے جن کا مزار میانی صاحب میں ہے فرماتے تھے:

> ''حضرت مفتی صاحب کا جس وقت انتقال ہوا ٹھیک اسی وقت ہم کو اس کی اطلاع ہو گئی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ہاتف غیبی اس خبر کو پھیلا رہا ہے۔''

مفتی صاحب کے پیر طریقت حضرت خواجہ دین محمد عرف حضرت ملا صاحب چوروی رحمۃ اللہ علیہ نے چورہ شریف ضلع کیمبل پور کی مسجد میں اسی روز نماز فجر کے بعد ایک سرد آہ بھر کر فرمایا:

> ''آج پنجاب کا آفتاب غروب ہو گیا''

نمازیوں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا:

> ''مولانا غلام رسول صاحب امرت سری کا انتقال ہو گیا۔''

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس واقعہ کا ذکر حضرت صاحب زادہ عادل شاہ صاحب چوروی علیہ رحمۃ نے اپنی تصنیف ''انوار تیراہی'' میں فرمایا ہے۔

نمازِ جنازہ

بیرونی مقامات کی جب یہ کیفیت تھی تو امرت سر میں بھلا کیوں نہ تہلکہ مچ جاتا؟ ہر گھر اور ہر زبان پر اسی واقعہ ہائلہ کا ذکر تھا۔ خورد وکلاں سب کے چہروں پر آثار غم ہویدا تھے۔ لوگ جوق در جوق اس کثرت کے ساتھ حضرت قاسمی کے در دولت پر جمع ہونے لگے کہ کوچہ وبازار اور جامع مسجد میاں محمد جان مرحوم اور گردونواح کے تمام علاقے انسانوں سے بھر گئے۔ جب تل دھرنے کو بھی جگہ نہ رہی تو لوگ ''قلعہ گوبند سنگھ'' کے وسیع میدان میں پہنچنے لگے کیوں کہ جنازے کی نماز یہیں پڑھی جانی تھی۔ ادھر تجہیز وتکفین مسنون طریقے پر کرنے کے بعد جنازہ اس شان کے ساتھ روانہ ہوا کہ ہزار ہا بے تاب اور غم زدہ انسانوں کا ہجوم ساتھ تھا۔ تمام گزرگاہوں پر پانی کا چھڑکاؤ اور جنازے پر گلاب کے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔

جنازے کی چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس اس غرض سے باندھ رکھے تھے کہ جنازے کو کندھا دینے کا شرف زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو حاصل ہو سکے۔ امرت سر کے غیر مسلم مسلمانوں کے ایک بوریہ نشین عالم دین کے جنازے کی یہ شان دیکھ کر انگشت بدنداں تھے قلعے کے میدان تک جو آپ کے گھر سے صرف ایک میل کے فاصلے پر تھا، جنازہ کئی گھنٹوں میں پہنچا۔

''تاریخ اقوامِ کشمیر'' میں لکھا ہے کہ چالیس پچاس ہزار مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی اور معمر ترین بزرگ راوی ہیں کہ اس سے بھی زیادہ اجتماع تھا۔

کرامت

آپ کے انتقال کے ٹھیک تین سال بعد آپ کی قبر مبارک کے قریب ایک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دوسری قبر کھودتے وقت آپ کی قبر مبارک کی لحد میں شگاف نظر آیا۔ بعض لوگوں نے شگاف کو ہاتھ سے ذرا وسیع کر کے قبر کے اندر جھانکا تو کفن نظر آیا۔ اس پر ان لوگوں نے جو کسی میت کو دفن کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے حضرت کی قبر مبارک اور زیادہ واشگاف کر کے اچھی طرح دیکھا تو کفن صحیح سالم تھا۔ حضرت کے چہرہ مبارک سے کفن اٹھایا تو اس کو زندگی کی طرح پُر رونق پایا۔ یہ خبر شہر میں فوراً پہنچ گئی اور لوگ زیارت کے لیے آنے لگے۔ اس پر معززین شہر نے شگاف بند کر کے قبر مبارک پر مٹی ڈال دی اور شہر سے آنے والے لوگوں کو سختی سے روک دیا۔

آخری آرام گاہ

آپ کی آخری آرام گاہ گورستان بلا کا سنگھ بیرون لاہوری گیٹ امرت سر میں بنی تھی جس کے گرد چار دیواری بنا دی گئی تھی۔ نور اللہ مرقدہٗ

قطعات تاریخ وفات

حضرت قاسمی کی وفات حسرت آیات پر بے شمار شاعروں نے مرثیے اور قطعات تاریخ وفات لکھے تھے اس وقت دو قطعے ہمیں مل سکے جو درج ذیل ہیں:

1. نتیجۂ فکر مولانا غلام احمد صاحب اخگر کاشمیری مرحوم سابق ایڈیٹر "الفقیہ" امرت سر۔

فاضل دہر و حامی توحید	کرد زینجا سفر بخلا رسید
نام پاکش بداں "غلام رسول"	شد ز طاعون براہ صدق شہید
شور ماتم بپا شدہ ہر سُو	ملک الموت روح او چو کشید
بود او بدر کامل اسلام	آفتاب علوم دین مجید
تیرہ گردید صبح ما چوں شام	شد محرم عیاں و پنہاں عید
خبر انتقال مولانا	اخگر خستہ حال چوں بشنید

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

از خرد ہم ز ہاتف غیبی سالِ تاریخ رحلتش پرسید
داد ہاتف ندا کہ اے اخگر! ''بشہادت رسید نفس سعید''
۲۰ ۱۳ھ

◆ ۲ از جناب خواجہ عبدالعزیز صاحب خواجہ مرحوم امرت سری تاجر پشمینہ

مفتی دہر آں غلام رسول صدرِ خاصانِ بارگاہِ اِلٰہ
صبح دو شنبہ سابع رمضان رفت سوئے ارم بحشمت و جاہ
زد پئے سال ہشت بار سروش
نعرہ ''لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ''(۱)

اولاد

آپ کے دو صاحب زادے ہیں۔ پیرزادہ محمد زبیر قاسمی پیر زادہ محمد ہادی قاسمی، جو اس وقت عمر رسید ہیں اور یہ دونوں تمام عمر تجارت وغیرہ کرتے رہے ہیں اپنے والد ماجد کے علمی ورثے کے مالک نہیں بن سکے۔

مآخذ مضمون

اس مضمون کی تیاری میں سب سے زیادہ مواد مولانا پیرزادہ بہاؤالحق صاحب قاسمی مدظلہ نے بہم پہنچایا ہے جو صاحب تذکرہ بزرگ کے برادر اکبر مولانا پیر عبدالعزیز صاحب قاسمی کے پوتے ہیں اور میرے اہل محلہ (رام گلی) پیر محمد شاہ صاحب امرت سری اور حاجی اللہ بخش صاحب امرت سری (جو مولانا قاسمی کے ہمسایہ تھے اور ان کے بڑے بھائی مولانا قاسمی کے مرید تھے) نے میری راہ نمائی فرمائی۔ جزاھم اللہ۔ اور کتاب تاریخ اقوام کشمیر مؤلفہ مولانا محمد الدین صاحب فوق کشمیری سے بھی استفادہ کیا۔ (ماہ نامہ فیض الاسلام، راول پنڈی مارچ ۱۹۶۰ء)

(۱) لا الٰہ الا اللہ کے اعداد کو آٹھ بار جمع کرنے سے ۱۳۲۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا غلام اللہ قصوری[1] امرتسری

آپ قریباً ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے، چھ برس کے تھے کہ آپ کے والد ماجد مولانا غلام رسول قصوری ثم امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۶ء/۱۲۷۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اور دم رحلت اپنے برادر خورد مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت فرما گئے کہ میرے بچوں (غلام اللہ اور ولی اللہ) کی تعلیم و تربیت تمہارے ذمے ہے۔ ولی اللہ، مولانا غلام اللہ سے دو برس چھوٹے تھے۔

بھائی کی وصیت کے مطابق مولانا غلام العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں ہونہار اور ذہین بچوں کو امرتسر لے گئے اور آپنے پاس رکھ کر نہایت عمدہ طریق سے تعلیم و تربیت کی۔ جب یہ دونوں بھائی جوان ہو گئے تو اپنی والدہ ماجدہ کے پاس قصور چلے آئے اور سکول کی ملازمت اختیار کی۔ پھر کچھ عرصہ بعد رسالہ ''نورالہدیٰ'' جاری ہوا جس کے ذریعے آپ کی لیاقت اور قابلیت کی شہرت اطراف و اکناف میں پھیلنی شروع ہو گئی۔

فریدکوٹ میں

اُن دنوں مہاراجہ صاحب فریدکوٹ کسی کام کے لیے قصور آئے اور انہوں نے مسٹر سٹیل حاکم قصور کو کہا کہ مجھے ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کے لیے ایسے دو آدمیوں کی ضرورت ہے جو غایت درجہ کے لائق اور قابل ہوں۔ اگر آپ کی نظر میں ایسے شخص ہوں تو ان کو مجھ سے ملا دیجئے۔ مسٹر سٹیل نے فوراً ان دونوں بھائیوں مولانا

(۱) آپ نے گیارہ سال امرتسر میں رہ کر مسلمانان امرتسر کی اہم علمی و دینی خدمات انجام دیں، اس لیے آپ کو ''علمائے امرتسر'' کی قطار میں شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔ ''م،م''

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

غلام اللہ اور مولانا ولی اللہ کو بلا کر مہاراجہ صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ مہاراجہ صاحب ان ذہین وفطین نوجوانوں سے بات چیت کر کے بہت خوش ہوئے۔ اور بڑے بھائی کو مشیر مال اور چھوٹے کو اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ مگر مولانا غلام اللہ ریاست کے کام کی پے چیدگیوں اور ریشہ دوانیوں نے گھبرا کر بہت جلد مستعفی ہو کر چلے آئے، اور دوبارہ تحصیل وتکمیل علوم کا خیال پیدا ہو گیا۔

لاہور میں آمد

علم کی پیاس بجھانے کی غرض سے آپ لاہور آئے اور اس وقت کے فاضل یگانہ خلیفہ حمید الدین مرحوم کی شاگردی اختیار کی۔ اور ان کے علاوہ یہاں کے دیگر فضلا سے بھی مستفید ومستفیض ہوئے ان میں سے علامہ شبلی کے استاذ مولانا فیض الحسن سہارن پوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا قصوری نے مولانا سہارن پوری سے اورینٹل کالج میں پڑھا۔ یہاں حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم سبق تھے۔ مگر مولانا قصوری نے سب سے زیادہ فیض خلیفہ حمید الدین صاحب ہی سے حاصل کیا، اور ان ہی سے سند اور دستار فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ خلیفہ صاحب موصوف کے حسب فرمان مسجد محلہ کمان گراں اندرون موچی دروازہ کی امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ یہ واقعہ قریباً ۱۸۸۲ھ کا ہے۔

تاسیس انجمن حمایت اسلام

جن چند ہم دردان قوم وملت کی ہمت وکوشش سے انجمن حمایت اسلام لاہور قائم ہوئی تھی، ان ہی میں سے مولانا غلام اللہ قصوری ایک بزرگ ہیں مولانا قاضی خلیفہ حمید الدین مرحوم نے ۱۸۸۴ء میں اپنے چند مخلص دوستوں کے تعاون سے انجمن مذکور کی بناڈالی تو مولانا قصوری نے اس سلسلہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر خلیفہ صاحب کے ساتھ تعاون کیا۔ اخبار حمایت اسلام لاہور بابت ۳ مارچ ۱۹۳۸ء میں بانیان انجمن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حمایتِ اسلام لاہور کے مختصر حالات زندگی شائع ہوئے تھے اس میں مولانا قصوری کے متعلق لکھا ہے:

''مولانا پہلے ریاست فرید کوٹ کے مشیر مال تھے، اور اب ایک مسجد میں بوریہ بچھا کر بیٹھ گئے، اور اللہ کے یہ مخلص بندے خوش تھے کہ انہیں خدمت قوم کا موقع ملا یہیں سے انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں سے مباحثے کیے، مقالے لکھے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے استاد اور دوسرے دوستوں سے مل کر انجمن حمایت اسلام کی بنا ڈالی۔ اور آخر عمر تک ہر طرح سے اس پودے کو سر سبز بنانے میں مصروف عمل رہے۔

مولوی صاحب موصوف خلیق بھاف دل، سادہ مزاج اور بلند ہمت بزرگ تھے، انہیں اسلام اور مسلمانوں سے سچی محبت تھی اور ساری عمر اسی محبت کی نذر کر دی''۔

مدرسہ حمیدیہ کا اجراء

انجمن حمایت اسلام کے قیام کی غرض وغایت اور مقصد وحید تبلیغ اسلام اور عیسائیوں آریہ سماجیوں کی فتنہ پردازیوں کا سد باب تھا۔ ان لیے اس انجمن نے خلیفہ حمید الدین کے نام پر ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسے کے قیام میں مولانا غلام اللہ کی کوششوں اور مشوروں کو خصوصی دخل تھا۔ اس مدرسے کے سب سے پہلے اول مدرس خلیفہ حمید الدین اور نائب مدرس مولانا غلام اللہ تھے اس مدرسہ حمیدیہ نے اسلام کی بہت زیادہ خدمات انجام دیں۔ اور ملک کے بڑے بڑے لائق اساتذہ نے اس میں بطور مدرس کام کیا جن میں سے مفتی عبداللہ ٹونکی، حکیم غلام مصطفیٰ ایم او ایل، مولانا محمد ذاکر بگوی اور مولانا اصغر علی روحی رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ مدرسہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۹۱۰ء تک بڑے انتظام و اہتمام سے کام کرتا رہا۔ اور پھر آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا۔

صدر مدرس مدرسہ رحیمیہ

لاہور میں انگریزی دور کی غالباً سب سے پہلی دینی درس گاہ "مدرسہ رحیمیہ" واقع مسجد نیلا گنبد لاہور ہے یہ مسجد قریباً ۱۸۵۲ء میں انگریزوں نے واگزار کی تھی۔ اس کے چند سال بعد شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر دہلوی نے اس میں مدرسہ رحیمیہ جاری کر دیا تھا۔ مولانا نور احمد چشتی مرحوم نے ۱۸۶۴ء میں "تحقیقاتِ چشتی" تصنیف کی۔ اس میں چشتی صاحب نے لکھا ہے:

> "اب قریب تیس چالیس لڑکوں کے اس مسجد میں پڑھتے ہیں سن اٹھارہ سو باون سے اس مسجد کے امام مولوی احمد الدین صاحب بگہ والے مقرر ہوئے ہیں، اور ان کی طرف سے ملا نور احمد امام مسجد جوائی نائب امام مقرر ہوئے، جو لاہور کے موتی بازار میں مسجد جوائی کنجری امام ہیں اور میاں رحیم بخش سوداگر مولوی احمد الدین کو اپنے پاس سے ماہ واری ارسال کرتے ہیں، اور تمام خرچ مسجد میاں رحیم بخش سوداگر کرتے ہیں۔" (تحقیقاتِ چشتی، ص:۱۳۲)

مولانا غلام اللہ قصوری بانی مدرسہ شیخ رحیم بخش صاحب کے فرزند شیخ محمد نقی صاحب مرحوم کے استاد تھے۔ اس لیے شیخ صاحب موصوف مولوی صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ۱۸۸۴ء کے آخری عشرے کا واقعہ ہے کہ اس مدرسہ کے صدر مدرس کی اسامی خالی ہوئی تو شیخ صاحب نے مولانا قصوری کو اس خلا کے پُر کرنے کے لیے مجبور کیا۔ چناں چہ آپ مدرسہ رحیمیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے مگر اپنی تمام توجہات انجمن حمایت اسلام اور مدرسہ حمیدیہ کے ساتھ وابستہ رکھیں۔

مدرسہ رحیمیہ واقع مسجد نیلا گنبد اب محکمہ اوقاف کے زیر انتظام پہنچ کر حالت نزع میں مبتلا ہے محکمہ مذکور نے سیاسی اغراض کی خاطر ایک نوزائیدہ مدرسے کو اس مسجد

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں جگہ دے کر اس قدیمی اور تاریخی مدرسے کو اس نئے مدرسے میں ضم کر دیا ہے مگر ابھی تک فریقین رضا مند نہیں ہوئے محکمہ اوقاف اگر واقفین کے اوقاف اور ان کی خواہشات کو اس طرح مجروح اور برباد کرتا رہا تو اس محکمے کے محاسبے کے لیے قوم کو ایک اور محکمہ قائم کرنے کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا پڑے گا۔ (۱)

امرتسر روانگی

مولوی صاحب پوری دل جمعی کے ساتھ لاہور میں دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے میں مصروف تھے کہ انجمن اسلامیہ امرتسر (قائم شدہ ۱۸۷۲ء) نے ۱۸۸۵ء میں اسلامیہ ہائی سکول جاری کیا، اور خان محمد شاہ رئیس اعظم امرتسر نے آپ کو لکھا کہ لاہور کو خیر باد کہہ کو فوراً امرتسر چلے آئیں کیوں کہ اب آپ کی خدمات کی ضرورت اہل امرتسر کو ہے، اور یہاں ہم نے جس مدرسہ اسلامیہ کی بنا ڈالی ہے، آپ اس کے اول مدرس دینیات کی حیثیت سے کام کریں۔

خان محمد شاہ صاحب مرحوم مولانا غلام اللہ قصوری کے دوست اور آپ کے والد ماجد مولانا غلام رسول مرحوم کے شاگرد تھے، اس لیے ان کی فرمائش کو رد نہ کر سکے اور امرتسر تشریف لے جا کر اسلامیہ ہائی سکول میں بہ حیثیت اول مدرس کام کرنے لگ گئے۔ اس کے علاوہ خان محمد شاہ مرحوم نے آپ کو اپنی مسجد واقع کٹرہ اہلو والیہ کا امام اور اپنے خاندان کے بچوں کا اتالیق مقرر کیا، یہ واقعہ ۱۸۸۵ء کا ہے۔

امرتسر تشریف لے جانے سے پیشتر ہی مولانا اطراف واکناف ہند و پاک

(۱) راقم الحروف یہ سطور لکھ رہا تھا کہ آج کے "کوہستان" پر نظر پڑی، جس کے سرورق پر یہ خبر پڑھنے میں آئی کہ چار صدیوں تک قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دینے والا ادارہ جسے محکمہ اوقاف نے بند کر دیا، یعنی "درس میاں وڈا" لاہور کو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا جانے مختلف مقامات پر یہ محکمہ کیا کیا گل کھلا رہا ہوگا انہیں چاہئے کہ یہ اپنے آپ کو مردہ فروشوں کے جانشین ثابت نہ ہونے دیں۔ "م،م"
۲۰/۹/۶۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں شہرت حاصل کر چکے تھے اور ان کے والد ماجد اور عم محترم مشہور عالم دین مولانا غلام العلی ﷫ کی تمام زندگی امرت سر میں گزری تھی۔ اور انہوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت بھی امرت سر میں حاصل کی تھی اس لیے اہل امرت سر کو آپ سے تعارف پہلے ہی سے تھا۔ چناں چہ آپ وہاں پہنچتے ہی نامور علماء کی صف اول میں شمار ہونے لگے۔ اس عہد کی کتب و رسائل دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا غلام اللہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ مرزا صاحب قادیانی کے پے روؤں کی تحریروں میں امرت سر کے علماء میں سے مولانا غلام رسول صاحب قاسمی ﷫ (رسل بابا)، مولانا سید عبدالجبار غزنوی ﷫ اور مولانا غلام اللہ قصوری کے نام ہی سب سے نمایاں نظر آتے ہیں کیوں کہ امرت سر کے علماء میں سے سب سے پہلے انہی حضرات نے مرزا صاحب کے دعاوی کی تردید کی تھی۔

اعتدال پسندی

مولانا کے زمانہ قیام امرت سر میں حنفی، وہابی کا جھگڑا بہت زوروں پر تھا، مولانا خود بڑے متشدد حنفی تھے مگر آپ نے ہمیشہ اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں سے احتراز کیا وہ اس قسم کی بحثوں کو جمعیت اسلامی کے لیے سخت مہلک سمجھتے تھے۔

رسالہ ''الواعظ'' کا اجراء

آپ نے امرت سر سے ایک رسالہ ''الواعظ'' کے نام سے محرم ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں جاری کیا تھا جس میں اسلامی مسائل و عقائد کو نہایت عمدہ تشریح و توضیح کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ لکھا جاتا تھا، یہ رسالہ بہت مقبول اور کثیر الاشاعت تھا۔

فیروز پور روانگی

تقریباً گیارہ سال امرت سر گزارنے کے بعد آپ یکا یک یہاں کی سکونت سے دل برداشت ہو گئے اور اواخر ۱۸۹۶ء میں فیروز پور ہائی سکول میں بہ حیثیت اوّل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مدرس دینیات ملازم ہو گئے اور ۱۹۰۴ء تک وہیں مقیم رہے۔

پروفیسر چیفس کالج

اواخر ۱۹۰۴ء میں چیفس کالج لاہور میں بہ ذریعہ انتخاب دینیات وعربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور قریباً سترہ سال یہاں باقاعدگی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ جب آپ بہت کم زور ہو گئے تو اپنی جگہ پر اپنے بیٹے مولوی حکیم حاجی محمد حسین صاحب مرحوم (متوفی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) کو مقرر کرا دیا اور خود مؤرخہ ۳ جنوری ۱۹۲۲ء کو ریٹائر ہو کر قصور چلے گئے۔

مسلک ومشرب

مولوی محمد داؤد صاحب وکیل قصوری نے لکھا ہے کہ

''مولانا صاحب مذہباً حنفی اور مشرباً نقش بندی مجددی تھے۔ اگرچہ آپ نے حضرت مولانا غلام العلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہ کر تعلیم وتربیت پائی۔ مگر ان کے خیالات سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔''

بیعت

مولوی صاحب؟ صاحبِ اجازت بزرگ تھے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ جس بزرگ کے مرید وخلیفہ تھے، وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا قصوری کے پوتے مولانا محمود حسین سابق پروفیسر چیفس کالج بھی کچھ نہیں بتا سکے۔ مولانا صاحب کا منظومہ ایک شجرہ ملا ہے، جس سے صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کے مرشد کا نام نامی اسم گرامی ''صوبا رحمۃ اللہ علیہ'' تھا۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

بآں حضرت کہ صوبا گشت نامش   خدایا دار دائم نیک نامش
طفیلِ آں غلام مرتضیٰ شاہ   مرا گرداں بحالِ خویش آگاہ
طفیل حضرت آں بدر کامل   الٰہی کن مرا باخواجہ واصل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طفیل حضرت عبد الرسولم　　　مکن ہر گز خداوندا ملولم

مہر صوبا ۹۰ برس کی عمر پا کر غالباً جنوری ۱۹۴۷ء میں فوت ہوئے اور قبرستان میانی صاحب میں دفن ہوئے ان کے مرشد مولانا غلام مرتضٰی صاحب کا مزار فاروق گنج (لاہور) میں مرجعِ اہلِ عقیدت ہے۔ان کے پیر کا اسم گرامی بدرالدین ہے، آخری بزرگ حضرت عبدالرسول صاحب اسی خاندان کے ایک فرد اور حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''تحفۂ رسولیہ'' کے خلیفہ وفرزندار جمند تھے۔

مولوی غلام اللہ صاحب ''غلامیؔ'' تخلص کرتے تھے۔اس شجرہ کا آخری شعر ہے:

غلامیؔ را دعائے خیر گوید　　　خلاف شرع ہرگز راہ نپوید

مولوی صاحب کے نبیرہ مولوی محمود حسین صاحب نے بتایا کہ مولوی صاحب اور حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بہت گہرے مراسم تھے۔آپ اکثر رخصتوں کے دنوں میں پیر صاحب کے پاس جا کر قیام کیا کرتے تھے۔

تصانیف

آپ نے مختلف موضوعات پر کتب ورسائل لکھے۔ولادت مسیح علیہ السلام اور بیعت والہام کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔آریوں کے اعتراضات کے جواب میں ''تائیدالاسلام'' تصنیف فرمائی جو ۱۲۹۹ھ میں لاہور سے طبع ہوئی۔ایک تحقیقی کتاب ''غزوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق رقم کی جو ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔

مولوی محمد داؤد صاحب وکیل نے لکھا ہے:

''مولانا صاحب علم طب' کیمیا اور تسخیر میں کامل دست رس رکھتے تھے مگر ان کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ حاجت مندوں میں ادویہ مفت تقسیم کیا کرتے۔آپ خنازیر کا شافی علاج بذریعہ دم کیا کرتے تھے۔ ان تمام تجربات پر مشتمل آپ کی ایک بیاض تھی جو محفوظ نہیں رہ سکی۔''

(قلمی رجسٹر مرتبہ مولوی داؤد صاحب قصوری)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وفات

مولانا صاحب ریٹائر ہو کر قصور گئے ہی تھے کہ بیمار ہو گئے، کچھ عرصہ بعد بغرض تبدیلی آب و ہوا اپنے لڑکے کے پاس لاہور چیفس کالج میں چلے آئے مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ بالآخر یہیں فوت ہو گئے۔ میت قصور لے جا کر آبائی قبرستان میں دفن کی گئی، نور اللہ مرقدہٗ۔ مولوی صاحب کی عمر وقت رحلت ۷۲ برس تھی۔ اور سال انتقال ۱۳۴۱ ہجری مطابق ۱۹۲۲ء ہے۔ خاص تاریخ و ماہ معلوم نہیں ہو سکا۔

قطعہ تاریخ

جناب مولوی محمد یار صاحب خلیق امام و خطیب سنہری مسجد لاہور (متوفی ۱۹۳۷ء) نے آپ کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا مولوی داؤد صاحب نے درج کرنے کے لیے عطا کیا ہے۔ وھو ھذا:

کل نفس ذائقة الموت آمد حکم حق
لیک خوش آنکس کہ بردہ در نکونامی سبق
اندریں ایام غم فرجام آں نیکو خصال
کرد رحلت زیں جہانِ پُر وبال و پُر زوال
شد فلک گرداں ملک حیران، ازاں جنت نشاں
گشت جن وانس وطیر و وحش کل ماتم کناں
فاضل علامہ بودہ خود غلام اللہ بنام رحمۃ اللہ علیہ
نام فرزندش محمد باحسیں حاجی تمام
ہاتفم گفتا بتاریخ وفات آں لئیق
بے حروف جہد گوئی باغِ فردوس اے خلیق
۱۳۴۱ھ ۱۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس قطعہ کے اشعار مولویانہ ہونے کے علاوہ مادہ تاریخ بہت نامناسب ہے۔
اور "حسین" کے نون کو غنہ بنانا بھی قطعاً ناروا ہے۔

شکریہ

اس مضمون کی تیاری میں مولوی محمد داؤد صاحب وکیل قصوری اور مولوی محمود حسین صاحب سابق پروفیسر چیفس کالج نبیرۂ مولانا غلام اللہ مرحوم کے قلمی مسودات سے بہت زیادہ امداد ملی۔ اس لیے میں ان دونوں حضرات کا شکرگزار ہوں۔ جزاھم اللہ!

(ماہنامہ فیض الاسلام راول پنڈی، فروری ۱۹۶۳ء)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت مولانا نور احمد پسروری ثم امرت سری

ارشاد مجدد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت راستہ جزو ست، علم و عمل و اخلاص (۱) تا ایں ہر سہ جز و محقق نشوند شریعت متحقق نشود، وچوں شریعت متحقق شد، رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است، و رضوان من اللہ اکبر۔ پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ آمد و مطلبے نماند کہ ورائی شریعت دراں مطلب احتیاج افتد، طریقت و حقیقت کہ صوفیاں باآں ممتاز گشتہ اند، ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جز ثالث کہ اخلاص است، پس مقصود از تحصیل آں ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر ورائی شریعت۔ (۲)

''شریعت کے تین جزو ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔

جب تک یہ تینوں جزو ٹھیک نہ پائے جائیں کوئی شخص صاحب شریعت نہیں ہوسکتا اور جب شریعت کی تکمیل ہوگی تو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے گی جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی سب سے بڑی شے ہے۔ پس شریعت تمام دنیوی اور اُخروی سعادتوں کی ضامن ہے اور

(۱) رسالہ مصطلحات صوفیہ کرام میں اخلاص کی یہ تعریف لکھی ہے:

''آنکہ از غیر حق مبرا باشد و در سخن قطع نظر از خلق کند۔''

(۲) مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ امرت سر، حصہ اول از دفتر اول صفحہ ۹۸ و مطبوعہ نول کشور بار ششم دفتر اوّل مکتوب ۳۶ صفحہ ۵۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امور زندگی میں سے کوئی ایسی مصلحت باقی نہیں رہی جس کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں شریعت سے باہر جانا پڑے، طریقت اور حقیقت [1] جس کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں، یہ دونوں خادم شریعت ہیں جزو ثالث کی تکمیل کے لیے جس کا نام اخلاص ہے۔ پس ان دونوں (طریقت و حقیقت) کے حاصل کرنے کا مقصود شریعت ہی کی تکمیل ہے نہ کہ اس کے سوا کوئی دوسری بات۔"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات گرامی کو بطور تمہید و تبرک اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ آج کی صحبت میں جس عالم ربانی اور عارف حقانی کے حالات پیش کیے جا رہے ہیں۔ وہ ان ارشادات عالیہ کی عملی تفسیر تھے۔ یعنی علم، عمل اور اخلاص کا پیکر جامعہ تھے۔ انہوں نے طریقت و حقیقت کی منازل کو تکمیل شریعت کے لیے طے کیا اور پھر معرفت آگاہ ہوئے۔

آہ امرت سر!

سرزمین امرت سر قریباً ایک صدی تک مرکز علوم اسلامیہ بنی رہی۔ اس عرصے میں بہت سے ایسے نام ور علماء و فضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے اطراف و اکناف پاک و ہند کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی شہرت حاصل کی۔ جن میں سے مولانا غلام العلی قصوری، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا سید عبدالجبار غزنوی، مولانا مفتی غلام رسول قاسمی، مفتی عبدالصمد خاں، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ، مولانا محمد عالم آسی، مولانا مفتی محمد حسن اور سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات دین کے مختلف علوم و فنون میں ایسے باکمال تھے کہ ان کی نظیر آج ناممکن ہے۔

---

(۱) صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ (۱) طریقت کی تکمیل کے بعد اشیاء کی (۲) حقیقت معلوم ہوتی ہے، اور حقیقت معلوم ہونے کے بعد (۳) معرفت حاصل ہوتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ

مگر حضرت مولانا مولوی مفتی الحاج نور احمد پسروری نقشبندی مجددی ابوالخیری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا نمایاں پہلو عرفان وتصوف ہے۔آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کررکھا تھا۔اس باب میں ان کی سرگرمیاں نادر المثال ہیں۔تصوف کے ساتھ اس درجہ شغف رکھنے کے باوجود صرف صوفیت و مشیخت میں گم ہوکر نہ رہ گئے تھے بل کہ مقصود حقیقی یعنی احیائے سنت و اقامت دین کی خاطر علوم شرعیہ (فقہ، حدیث اور تفسیر) کے درس وتدریس میں بھی مشغول رہے۔چناں چہ ایک عالم ان کی علمی اور روحانی فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہوا۔یہاں تک کہ ان کے زندہ جاوید علمی کارناموں سے طالبان رشدوہدایت ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ علم
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ابتدائی حالات

ہزار کوشش کے باوجود آپ کے ابتدائی حالات تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکے۔صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ آپ پسرور ضلع سیال کوٹ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ابتدائی تعلیم پسرور میں حاصل کی اور اس کے بعد تحصیل و تکمیل علوم کے لیے یوپی روانہ ہوگئے۔

اساتذہ

یہ تو بالکل صحیح طور پر معلوم ہے کہ آپ نے حضرت مولانا احمد حسن کان پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، (متوفی ۱۳۱۳ھ) اور حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) سے علوم دینیہ پڑھے۔مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس زمانے میں آپ نے تحصیل علوم کی اور کس کس سے کون کون سی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کتابیں پڑھیں۔

حضرت مولانا نوراحمد نوراللہ مرقدہ کے پرانے شاگردوں میں سے مولانا ابواحمد عبداللہ صاحب لدھیانوی جو گوجرانوالہ میں مقیم ہیں انہوں نے رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات لکھے تھے۔ حضرت کے اساتذہ کے سلسلے میں آپ کی معلومات بھی اتنی ہی ہیں جتنی ہم نے لکھ دی ہیں۔ مولانا ابواحمد صاحب لکھتے ہیں:

> ''آپ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کے بلاواسطہ شاگرد تھے اور قبلہ عالم حضرت مولانا امداداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے روحانی فیض یافتہ (۱) تھے، اور حضرت مولانا احمد حسن کان پوری کے مخلص شاگردوں میں سے تھے۔''(۲)

حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد ہندوستان سے ہجرت فرما گئے تھے۔ اور اس وقت مولانا نوراحمد کی عمر صرف چھ سات برس ہوگی۔ اس لیے یہ یقینی امر ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ پہنچ کر ہی فیض یاب ہوئے۔

سفرِ حجاز

برصغیر کے علماء و فضلاء سے استفادہ و استفاضہ کے چند سال بعد ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں عازم حجاز ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ صولتیہ سے اکتساب علم کیا۔ آپ چوں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مکہ مکرمہ گئے تھے اس لیے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عرصہ تک پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

---

(۱) ان سے آپ نے صرف روحانی فیض ہی حاصل نہیں کیا بلکہ کتابیں بھی پڑھیں۔

(۲) ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند اگست ۱۹۶۱ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مدرس مدرسہ صولتیہ

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے مدرسے میں مدرس مقرر فرمادیا اور آپ عرصہ چھ یا سات سال یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں حجاز مقدس کے اکثر علماء وفضلاء سے آپ کے روابط قائم ہوگئے اور انہوں نے آپ کی علمی فضیلت اور فقہی بصیرت کا اعتراف کیا۔

شیخ العرب والعجم سے بیعت

مکہ معظّمہ میں قیام کے زمانے میں آپ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ[1] کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان سے بہت زیادہ روحانی استفادہ کیا۔

زمانہ قیام حجاز کے واقعات

ربط مضمون کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ قیام حجاز کے واقعات اور معمولات یہیں لکھ دیئے جائیں، جو نہایت بصیرت افزا اور ایمان افروز ثابت ہوسکتے ہیں، ان شاء اللہ تعالی، یہ واقعات وحالات حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے بیان فرمودہ ہیں، جو راقم کو نہایت معتبر راویوں کے ذریعے معلوم ہوئے، اور کچھ ان کی اپنی تحریروں سے بھی اخذ کیے گئے ہیں۔

غرباء پر حج فرض نہ ہونے کی وجہ

مولانا فرماتے ہیں:

"۱۲۹۹ھ میں سفر حجاز میں جہاز کے اندر میرے ہم راہ چند مساکین تھے۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر میں تو وہیں مقیم رہا لیکن وہ لوگ مدینہ منورہ کو بغیر قافلہ کے پیدل روانہ

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں واصل بحق ہوئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئے۔ ان مساکین کے ہم راہ جہلم کے رہنے والے بلند قامت اور گورے رنگ کے ایک سید صاحب بھی تھے۔ جب یہ لوگ واپس مکہ معظمہ آئے تو میں نے ان سے سید صاحب کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے بتلا کہ وہ راستے میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کا حال معلوم نہیں۔

حسن اتفاق سے ایک شب نماز عشاء سے فراغت پا کر اپنی جائے قیام کو جا رہا تھا کہ عین حرم شریف کے اندر ایک شخص مجھے ملا۔ اس نے السلام علیکم کہا میں نے جواب دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اس پر اس نے بتلایا کہ میں وہی جہلم کا رہنے والا سید ہوں جو مساکین کے ہم راہ مدینہ شریف کو گیا تھا۔ تب ہم دونوں بیٹھ گئے میں نے ان سے راستہ کے حالات معلوم کیے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے بتایا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا تھا۔ میں بندرگاہ رابغ سے نکل کر مقام بدر کے راستہ ہو لیا۔ یہ ایک خشک ریتلا چٹیل میدان تھا نہ کچھ پینے کو ملتا اور نہ کچھ کھانے کو کئی دن تک بھوکا پیاسا رہنے کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ پیاس سے تسکین حاصل کرنے کی غرض سے چاندنی رات میں اپنی زبان ٹھنڈی ریت پر رکھتا تھا۔ آخر کار درماندہ اور زندگی سے مایوس ہو کر ایک جگہ لیٹ گیا۔ کمال ضعف تھا، چلنے کی طاقت بالکل نہ رہی تھی۔ ہر گھڑی موت کا انتظار تھا۔ اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مجھے یوں کہہ رہا ہے کہ اسی لیے خدا تعالی نے غرباء اور مساکین پر حج فرض نہیں کیا۔ اتنے میں کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے منہ میں پانی اور نرم سی غذا ڈال رہا ہے۔ جب (یہ غذا) میرے حلق سے اتری تو مجھے ہوش آ گیا۔ دیکھتا ہوں کہ چند بدوی مع اونٹوں کی ایک قطار کے میرے پاس موجود ہیں۔ آخر انہوں نے مجھے ایک اونٹ پر سوار کر لیا، اور ایک آباد منزل تک پہنچا دیا، چند روز وہاں اقامت کر کے مدینہ منورہ کو روانہ ہو گیا اور آج ایک عرصہ کے بعد یہاں واپس پہنچا ہوں۔ (1)

(1) ماہنامہ ''الفیض'' رجب المرجب ۱۳۴۳ھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا سے پیش آمدہ واقعہ

راقم الحروف کے والد ماجد[1] مرحوم و مغفور کی روایت ہے اور مولانا کے فرزند مولانا محمد سلیمان صاحب نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ یہ بیان فرمایا:

''میں نے ایک دفعہ مکہ معظمہ سے پیدل چل کر دربار نبوی میں حاضری کا شرف حاصل کیا، اثنائے سفر ایک رات ایسی آئی کہ قیام کے لیے کوئی منزل نہ تھی، اس لیے بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اگر سفر میں راہ بھول جاؤ تو بلند آواز سے یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ[2] پکارا کرو۔ میں نے اس پر عمل کرتے ہوئے تین بار پکارا، اور پھر ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی تو قریب ہی ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اور میں اس طرف چلا آیا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ چند بچے جھونپڑی کے باہر کھیل رہے ہیں اور یہ بچے مجھے دیکھتے ہی پکار اٹھے: جَاءَ ضیف اللّٰہ (اللہ کا مہمان آیا) بچوں کی آواز سنتے ہی اندر سے ایک مرد نکلا، اور اس نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ کھانا کھلایا اور رات بسر کرنے کے لیے بستر وغیرہ دیا۔ اور صبح کو مجھے راستہ پر ڈال دیا۔'' (مفہوماً)

مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے قبل یعنی ''اَعِیْنونی یا عباد اللّٰہ'' پکارنے سے قبل بہ قائمی ہوش و حواس اس علاقے میں کوئی جھونپڑی نہ دیکھی تھی۔ واللّٰہ

(۱) حکیم فقیر محمد چشتی امرت سری رحمۃ اللہ علیہ جن کے طبی تجربے اور مفردات و مرکبات کی تیاری میں امانت و دیانت شہر بھر میں مشہور و مسلم تھی، جو دوا شہر میں کسی دوا فروش کے پاس نہ ملتی، ان کے ہاں ملنے کی آخری امید ہوتی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور میں مقیم ہوئے اور یہیں ۱۹۵۲ء میں رحلت فرمائی۔

(۲) یہ حدیث ''حصن حصین'' صفحہ ۲۰۲ پر مرقوم ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اعلم بالصواب۔

دس پاروں کی تلاوت

حضرت مولانا نوراحمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند مولانا محمد سلیمان صاحب کو ایک دفعہ بتایا:

"میں دوران قیام مکہ معظمہ حرم شریف میں بیٹھ کر روزانہ دس پارے تلاوت کیا کرتا تھا۔"

بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ

ایک دفعہ مولانا محمد سلیمان صاحب کو علیحدگی میں بتایا:

"میں نے بیت اللہ شریف میں اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے جو آمدنی ہوا کرے گی، اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد پھر اس میں سے بیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کروں گا۔"

اللہ کا شکر ہے میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر رہا ہوں۔

اللہ، اللہ کس درجہ کے نیک نفس اور مخیر بزرگ تھے۔ آج پوری دنیائے مولویت و مشیخت اس کی مثال پیش کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ (الامن شاء اللہ "فیض الاسلام")

زمانہ قیام مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے آپ کو بعض خالص متصوفانہ حکایتیں سنائیں، جن کو مولانا نے اپنے مضامین مطبوعہ "الفیض" امرت سر میں بیان فرمایا۔ یہ بڑے مزے کی باتیں ہیں مگر ہمارے موضوع سے ان کا کوئی زیادہ تعلق نہیں۔ ان حکایات میں سے ایک ہونٹ کٹے ولی اللہ کا طویل قصہ بیان کرنے کے بعد عربی میں لکھتے ہیں:

انتھٰی ما حکی الشیخ محمد رحمت اللہ رحمه الله یوم الفطر بعد الصلوٰۃ لما زرته ذاك الیوم ١٣٠١ھ فی بلد الله

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الحرام والشیخ اذ ذاك كان جالسا فی سرداب تحت باب المدرسة للّتی انشأھا ھناك۔ (۱)

ان حکایات کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین اور بے مثال مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند مرتبہ صوفی اور متصوفہ کے حامی تھے۔

واپسی ہند

سات آٹھ سال مکہ شریف میں قیام پذیر رہنے اور سات حج کرنے کے علاوہ کئی دفعہ روضہ نبوی کی حاضری کی بے پایاں سعادتیں حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے استاد گرامی حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ارشاد ''ویلور'' علاقہ مدراس میں تشریف لے آئے اور یہاں تبلیغ و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مدرسہ باقیات الصالحات

مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۰۷ھ میں پاک و ہند میں واپس لوٹے تھے اور ''ویلور'' پہنچتے ہی ''مدرسہ باقیات الصالحات'' جاری کیا، جواب تک بہ دستور دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس مدرسہ کے بانی تو کوئی اور صاحب تھے مگر اس کے سب سے پہلے مدرس اعلیٰ اور مہتمم حضرت مولانا صاحب ہی مقرر ہوئے تھے۔ ان باتوں کو تفصیلاً معلوم کرنے کے لیے تین ماہ کا عرصہ ہوا مہتمم صاحب مدرسہ ہذا کے نام ''ویلور'' خط لکھا تھا مگر جواب سے جواب ہی رہا۔ مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب امرت سر تشریف لے آئے تھے تو اپنی جگہ اپنے شاگرد مولانا عبدالجبار مرحوم کو مقرر کر آئے تھے جو عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور نائب مدرسین بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔

---

(۱) ''الفیض'' امرت سر، اپریل ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امرت سر میں آمد

یہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ ''ویلور'' میں کتنے سال رہے اور امرت سر میں کب تشریف لائے پرانے زمانے کی تحریریں اور فتاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۸۹۸ء/۱۳۱۶ھ میں آپ کا امرت سر میں ورود مسعود ہوا۔

امرت سر میں آپ کی آمد کے دو سبب پیدا ہوئے:

ایک تو ''ویلور'' کے ایک ایسے رئیس سے ایک فروگذاشت ہوگئی جو مدرسہ کی بہت زیادہ مالی امداد کیا کرتا تھا۔ مگر آپ اسے برداشت نہ کر سکے اور مدرسے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تاکہ مدرسہ کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، اور جو پودا لگایا ہے وہ سرسبز اور پھلتا پھولتا رہے۔ ادھر حاجی شیخ بڈھا مرحوم و مغفور سوداگر چرم و رئیس اعظم امرت سر نے نئی نئی عالی شان مسجد تعمیر کرائی تھی[1] اس لیے انہیں ایک بے نظیر خطیب و امام کی تلاش تھی۔ شیخ صاحب موصوف کے کارندے ویلور آتے جاتے تھے۔ ان کے ذریعے شیخ صاحب کو مولانا صاحب کے کمالات سے آگاہی ہو چکی تھی۔ شیخ صاحب موصوف کے کارندے ویلور آتے جاتے تھے، ان کے ذریعے شیخ صاحب کو مولانا صاحب کے کمالات سے آگاہی ہو چکی تھی، شیخ صاحب کو جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ ''باقیات الصالحات'' سے الگ ہو گئے ہیں، فوراً امرت سر

(۱) حاجی شیخ بڈھا مرحوم و مغفور نے اس مسجد کا سنگِ بنیاد ۱۳۰۶ھ میں رکھا تھا اور ۱۳۰۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس سستے زمانے میں ایک لاکھ روپیہ اس کی تعمیر پر خرچ آیا تھا۔ مضبوطی، خوب صورتی اور نقش و نگار کے لحاظ سے سارے شہر میں یہ واحد مسجد تھی۔ افسوس، کہ تقسیم ملک کے بعد اس مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اب اس مسجد کی زمین پر ہندوؤں کے سکونتی مکان تعمیر ہو چکے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مسجد آگ سے جل نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس میں لکڑی کا کام بہت معمولی تھا۔ غالباً ۱۹۵۰ء کے بعد اس کو بھارتی حکومت نے خود مسمار کرایا۔ راقم الحروف اس وقت (ویزا پر) امرت سر میں تھا جب کہ اس کا حوض گرایا جا رہا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آنے کی دعوت لکھ بھیجی جسے آپ نے منظور فرمالیا۔

جناب عبدالحمید صاحب پنشنر پوسٹ ماسٹر کا بیان ہے کہ مولانا کی آمد کے چند روز بعد ہی یہ چرچا ہونا شروع ہوگیا کہ حاجی شیخ بڈھا کی مسجد میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہیں جو صبح کی نماز کے بعد درس دیتے ہیں اور ان کے درس میں ایک خاص کیفیت اور اثر ہوتا ہے۔ ان کی طرف روز بروز لوگ بہت رجوع ہو رہے ہیں۔ چناں چہ ایک دن میں (عبدالحمید) اور صوفی حسین بخش مرحوم درس سننے گئے تو معلوم ہوا کہ واقعی آپ کے درس میں خاص کشش ہے اور مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بات کہتے ہیں وہ ان کے دل سے نکلتی ہے اس کے بعد ہم دونوں کی آمد و رفت حضرت مولانا کی خدمت میں بہت زیادہ ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے صبح کے درس کے علاوہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کافی تعداد طالب علموں کی بھی ہوگئی۔ چناں چہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے اپنے بڑے صاحب زادے پیر محمد حسین صاحب کو بھی حصول علم کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت کے علوم و فیوض کے انوار سارے امرت سر میں چمکنے لگے اور شہر کے بڑے بڑے رئیس بھی آپ کی خدمت میں حاضری کو سعادت سمجھنے لگے۔ (1)

مدرسہ نعمانیہ امرت سر

آپ نے امرت سر تشریف لانے کے فوراً بعد مسجد حاجی شیخ بڈھا میں مدرسہ نعمانیہ کی بنیاد رکھ کر باقاعدگی سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا اور چند ہی سال میں اس مدرسہ کی شہرت اطراف و اکناف میں پھیل گئی اور طلباء کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ بالآخر آپ نے اس مدرسے کو وسعت دینے کے لیے دوسرے مدرسین کی خدمات حاصل کیں۔ مسجد شیخ بڈھا مزید طلباء کے قیام کی متحمل نہ ہوسکتی تھی۔ اس لیے آپ نے

(1) جناب عبدالحمید صاحب نہایت عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ مولانا کی امرت سر میں آمد کے وقت آپ نو جوان تھے۔ انہوں نے مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ آپ اس وقت کوئٹہ میں مقیم ہیں، جہاں ان کے صاحب زادے ایکسین (XIN) لگے ہوئے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

1906ء یا 1907ء میں جامع مسجد شیخ خیر الدین مرحوم واقع حال بازار امرت سر میں مدرسہ نعمانیہ کی ایک شاخ کھول دی۔اس شاخ میں اول مدرس مولانا مولوی غلام محی الدین مرحوم جہلمی مقرر کیے اور نائب مدرس دو تھے۔ایک تو لدھیانہ کے خاندان علماء سے تعلق رکھتے تھے راقم کو ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔دوسرے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب تھے۔

مولوی غلام محی الدین صاحب جہلمی کے انتقال (آپ چند سال بعد فوت ہو گئے تھے) کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب اول مدرس ہو گئے اور نائب مدرس کوئی اور صاحب رہے چند سال مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی مقیم حال لائل پورہ بھی اس مدرسہ کے نائب مدرس رہ چکے ہیں۔آخر حضرت مولانا مولوی مفتی عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی جو راقم الحروف کے استاد ہیں، نائب مدرس کی حیثیت سے کام کرنے کے علاوہ فتویٰ نویسی کی خدمات سرانجام دیتے رہے یہاں تک کہ ملک کی تقسیم عمل میں آ گئی۔اس کے بعد اس دارالعلوم کا انجام انا للّٰہ و انا الیہ راجعون میں پنہاں ہے۔

انجمن نعمانیہ

حضرت مولانا الحاج مفتی نور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے از راہ دور اندیشی ایک انجمن قائم کر دی تاکہ اس کی زیر نگرانی مدرسہ نعمانیہ ہمیشہ چلتا رہے۔اس انجمن نعمانیہ کے اراکین نے مولانا ہی کو صدر منتخب کیا اور جناب شیخ علی بخش صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس امرت سر کو سیکرٹری بنایا۔مولانا کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارشد مولانا محمد سلیمان صاحب بی اے صدر اور جناب شیخ سعید اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ خلف الرشید شیخ علی بخش صاحب مرحوم سیکرٹری چنے گئے اور بانی مدرسہ کی جگہ مولانا محمد سلیمان صاحب مدرسہ نعمانیہ کے مہتمم تقسیم ملک تک بہ دستور صدر انجمن اور مہتمم مدرسہ رہے۔(1)

(1) حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مدرسہ نعمانیہ کے طلبا کو مسجد حاجی شیخ بڈھا مرحوم کے متولی وظیفہ اور کپڑے دیا کرتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تلامذہ

مولانا مرحوم و مغفور کے شاگردوں کی تعداد کا احاطہ کرنا اس وقت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جن چند حضرات کے متعلق راقم کو معلوم ہو سکا ہے کہ انہوں نے مولانا صاحب کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی ہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1. حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مرحوم مدرس مدرسہ باقیات الصالحات ویلور (مدراس)
2. حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ باقیات الصالحات ویکور (مدراس)
3. حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (متوفی 1380ھ/1961ء)
4. حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (متوفی 1381ھ/ 1961ء)
5. حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب ہزاروی نائب مدرس مدرسہ نعمانیہ امرت سر (متوفی 1366ھ/1947ء)
6. حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جو اسی سال لاہور میں فوت ہوئے اور راقم آثم نے عند ربہ مرضیا (1382ھ) ان کی تاریخ کہی تھی۔[1]
7. حضرت مولانا مولوی صاحب زادہ پیر محمد حسین صاحب (متوفی 1381ھ/ 1961ء) ابن حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری (متوفی 1370ھ)
8. حضرت مولانا غلام محمد صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد خیر الدین حال بازار امرت سر
9. مولانا مولوی نور عالم صاحب مولوی فاضل سابق مدرس عربی مسلم ہائی سکول امرت سر

---

(۱) حضرت مولانا رائے پوری نے محترم مولانا محمد داؤد غزنوی کو خود بتایا تھا کہ میں حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد شیخ بڈھا میں ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا اور اس طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے بھی جایا کرتا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۰ مولانا مولوی حاجی محمد حسین صاحب ہزاروی مرحوم شیخ الحدیث مدرسہ سلفیہ غزنویہ امرت سر

۱۱ حضرت مولانا پیر عبدالخالق [1] ٹانڈوی نقشبندی مجددی مرحوم ومغفور۔

۱۲ قائد احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1376ھ/ 1956ء)

۱۳ جناب حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی امرت سری (متوفی 1371ھ/ 1952ء) آپ راقم آثم کے والد ماجد ہیں۔

۱۴ حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی مدظلہ، مقیم حال لائل پور

۱۵ حضرت مولانا ابواحمد عبداللہ صاحب لدھیانوی مدظلہ، مقیم حال گوجرانوالہ

۱۶ مولانا عبدالرحیم صاحب موچھل والے حال مقیم گوجرانوالہ

۱۷ مولوی نور احمد صاحب، بسیری والا، مظفر آباد، آزاد کشمیر

۱۸ مولانا حاجی عبدالکریم صاحب، باجرہ، ضلع سیال کوٹ

۱۹ جناب حکیم مظفر علی، لائل پور

۲۰ مولانا مفتی ضیاء الدین صاحب ضیا کاشمیری (مفتی علاقہ پونچھ) حال مقیم لاہور

۲۱ جناب حافظ محمد سعید صاحب چنیوٹی مالک بی پی فیکٹری

۲۲ مولانا ابوالبیان محمد داؤد مرحوم خطیب مسجد شیخ بڈھا ومصنف کتب کثیرہ (متوفی 1942ء) فرزندِ ارجمند حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ

۲۳ محترم ومکرم مولانا ابوالفیض محمد سلیمان صاحب بی اے، مالک نور کمپنی نئی انار کلی، لاہور۔ آپ حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب تذکرہ کے بڑے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔

۲۴ مولانا حافظ قاری خدا بخش صاحب مدظلہ، سابق نائب مدرس مدرسہ تجوید القرآن چوک فرید، امرت سر، حال مقیم قصبہ کانٹھ، ضلع مرادآباد (بھارت)

---

(۱) ان کا مطب امرت سر چوک فرید میں تھا، بہت بڑے عالم دین تھے۔ منہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۲۵ حضرت مولانا پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ اندرابی کاشمیری ثم امرت سری، خطیب مسجد رحمانیہ، آرام گلی نمبر 7 لاہور

پیر صاحب موصوف کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، مادہ تاریخ وفات ''رحلت یزداں پرست'' (1380ھ) ہے۔

۲۶ سید بڈھے شاہ مرحوم آنریری مجسٹریٹ اور رجسٹرار امرت سر۔ ان مرحوم نے حضرت مولانا مغفور سے مثنوی رومی سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔

مدرسہ تجوید القرآن

اوائل 1914ء میں حضرت مولانا نور احمد مغفور نے مسجد شیخ بڈھا مرحوم واقع موری گنج چوک فرید، امرت سر میں مدرسہ نعمانیہ کے ساتھ ہی مدرسہ تجوید القرآن کی بنیاد ڈال دی اور استاذی حافظ خدا بخش صاحب مدظلہ کو اس مدرسے کا مدرس مقرر کر دیا۔ 1916ء میں مولانا مرحوم ومغفور نے حافظ خدا بخش صاحب کو وظیفہ دے کر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ (قائم کردہ حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب متوفی 1343ھ/ 1925ء) سے فن قراءت سیکھنے کے لیے بھیجا اور وہاں سے عارضی طور پر کام کرنے کے لیے ایک مدرس طلب کیا جو حافظ خدا بخش صاحب کی جگہ بچوں کو پڑھاتا رہا۔

قراءت روایت حفص[1] کی تحصیل کے بعد حافظ صاحب موصوف امرت سر آ کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے مدرسہ تجوید القرآن دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا حتّٰی کہ ایک اور مدرس کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس پر حافظ خدا بخش صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں ایک ایسے مدرس ہیں جن کو امرت سر آنے کی دعوت دی جائے تو ضرور تشریف لے آئیں گے اور ان کی آمد سے ہمارا مدرسہ اپنی نوعیت کی مثالی درس گاہ بن

(۱) یہ قراءت سات قراءتوں میں سے سب سے پہلے سکھائی جاتی ہے۔ عام قاری صرف اس کے ماہر ہوتے ہیں یہ اپنے موجد حفص کے نام سے موسوم ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جائے گا۔

حضرت مولانا نور احمد نے اس تجویز کو پسند فرماتے ہوئے حافظ خدا بخش صاحب کو کہا کہ خط و کتابت کرنے کی بجائے خود لکھنؤ جا کر ان کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ چناں چہ حافظ صاحب گئے اور وہاں سے شیخ القراء حضرت قاری کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1961ء مدفون لاہور) کو امرتسر لے آئے۔

قبلہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کے بعد اس مدرسے نے بے حد ترقی کی اور بیرون جات کے طلباء جوق در جوق بہرہ مند ہونے کے لیے آنے لگے۔(1) یاد رہے کہ تجوید و قراءت کی یہی ایک درس گاہ تھی جو امرتسر میں سب سے پہلے قائم ہوئی اور اس کے قیام سے قبل امرتسر میں حفاظ کا قحط تھا۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن کریم سننے کے لیے حفاظ بیرون جات سے منگوائے جاتے تھے مگر اس مدرسہ تجوید القرآن کے قیام کے بعد نہ صرف امرتسر ہی سے یہ کمی رفع ہوگئی بل کہ یہاں کے پڑھے ہوئے حفاظ و قرا اطراف و اکناف پاک و ہند میں پھیل گئے۔ اس وقت پاکستان کے اکثر و بیشتر نامور قراء اسی مدرسے کے فارغ التحصیل ہیں۔

انجمن حفظ المسلمین

مولانا نے امرتسر میں ایک انجمن بنام "انجمن حفظ المسلمین" قائم کی جس کا مقصد وحید مذاہب جدیدہ اور بالخصوص قادیانیت کے رد میں لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کرنا تھا۔ اس انجمن نے (جس کے صدر مولانا صاحب ہی تھے) حضرت مولانا مولوی حکیم محمد عالم آسی نقشبندی مجددی ابوالخیری مصنف الکاویہ علی الغاویہ (متوفی 1363ھ/ 1944ء) کے تصنیف کردہ کئی رسائل چھاپ کر تقسیم کیے۔ مولوی غلام

(1) قاری کریم بخش ۱۹۱۹ء میں امرتسر تشریف لائے۔ ان کی آمد کے بعد اس مدرسے کو مسجد شیخ بڈھا مرحوم سے مسجد کوتوال چوک فرید امرتسر میں منتقل کر دیا تھا اور تقسیم ملک تک یہ چشمۂ فیض قرآنی وہیں جاری و ساری رہا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسول راجیکے قادیانی مبلغ کے اعتراضات کے جواب میں حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مشکل اور دقیق[1] عربی میں ایک پمفلٹ لکھا جس کا نام الجنجات تھا اس پمفلٹ کو مولانا صاحب نے اپنی جیب خاص سے رقم خرچ کر کے انجمن مذکور کی طرف سے شائع کرایا۔ جناب خواجہ احمد الدین صاحب نے محروم الارث پوتے کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا ان کی تردید میں مولانا آسی نے رسالہ "التنقید علی وراثت الحفید" تحریر کیا تو یہ رسالہ بھی اسی انجمن نے زیور طبع سے آراستہ کر کے نذر شائقین کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس انجمن کا نام بدل کر انجمن تبلیغ الاسلام رکھ دیا گیا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ بدستور اس کے صدر رہے۔

مولانا کا مقام علم و عمل

حضرت مولانا الحاج مفتی نور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے علمی اور روحانی مقام کو بیان کرنا مجھ ایسے ہیچ مداں کا کام نہیں اس لیے ذیل میں چند فضلا کی آرا نقل کی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ صاحب تذکرہ کس پایہ کے بزرگ تھے۔

مشہور کانگریسی واحراری لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم لدھیانوی لکھتے ہیں:

"والد صاحب نے مجھے امرتسر مولانا نور احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں پڑھنے کو بھیج دیا حضرت مولانا کا مدرسہ شیخ بڈھے کی مسجد چوک فرید میں تھا اسی میں مولانا خود بھی رہتے تھے۔

مولانا نور احمد صاحب پسرور ضلع سیال کوٹ کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے شیخ، محدث اور شب بیدار بزرگ تھے حضرت

(۱) حضرت علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ مشکل عربی میں اس لیے تصنیف کیا تھا کہ قادیانی مبلغ صاحب نے اس سے قبل ایک عربی پوسٹر شائع کیا تھا جس میں اپنی قابلیت دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر جب مولانا کی تحریر ان کے سامنے پیش کی گئی تو وہ اسے پڑھ بھی نہ سکے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا نور احمد صاحب کئی سال مکہ معظمہ میں رہے تھے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے شاگرد تھے اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مولانا نور احمد صاحب کے پڑھانے میں کچھ ایسی برکت تھی کہ سبق پڑھتے ہی پڑھتے یاد ہو جاتا تھا۔ میرے ساتھ مفتی محمد نعیم صاحب، مولانا مفتی محمد عبداللہ جو اس وقت مدرسہ انوریہ کے مہتمم ہیں، مولانا عبداللہ میرے پھوپھی زاد بھائی، مولانا عتیق الرحمٰن جو میرے رشتہ میں بھائی ہوتے ہیں میرے ساتھ پڑھتے تھے مولانا نور احمد صاحب نے مجھے ایک نابینا حافظ صاحب سے علم تجوید کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی مشق کروائی۔ 1914ء تک مولانا نور احمد صاحب کے مدرسہ میں ہی تعلیم حاصل کرتا رہا۔"(۱)

مولانا ابو احمد عبداللہ صاحب لدھیانوی جو 1908ء میں امرت سر آ کر مولانا مرحوم کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے اور بعد میں دیوبند جا کر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری علیہ الرحمۃ سے مستفید ہوئے آپ آج کل گوجرانوالہ میں دارالعلوم نعمانیہ کے ناظم ہیں اور کئی ضخیم کتب دینیہ کے مؤلف و مصنف بھی ہیں۔ آپ نے ماہ نامہ "دارالعلوم دیوبند" میں لکھا تھا:

"مولانا نور احمد اسم با مسمٰی نور احمد تھے۔ آپ کے گورے رنگ والے چہرے سے صاحب فراست جمال احمدی کی کرنیں محسوس کرتا۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو عالم ربانی کہا کرتے تھے۔ مولانا نور احمد بڑے متبحر عالم تھے علوم نقلیہ اور عقلیہ میں ماہر تھے آپ کے علوم کی حدود اربعہ کا بیان کرنا ہمارے اندازے سے باہر کی چیز ہے۔ علوم شریعت طریقت اور حقیقت میں آپ ایک مخصوص مقام پر

(۱) "رئیس الاحرار" مطبوعہ دہلی صفحہ ۹۷

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے۔"(۱)

امرت سر سے آمدہ اہل علم حضرات میں سے اس وقت حکیم مہر الدین صاحب مدظلہ (بابائے نیچر و پیتھی) قریباً سب سے معمر بزرگ ہیں امرت سر کے پرانے بزرگوں اور علما کے متعلق ان سے بہت سی باتیں معلوم ہوتیں رہتی ہیں راقم آثم حضرت مولانا نور احمد کے حالات دریافت کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت علیل تھے۔ مگر میرے استفسار پر بہت سی باتیں بتائیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

جن دنوں انجمن حفظ المسلمین نے مولانا آسی کا رسالہ الجتجات شائع کیا تو ایک دن مسجد شیخ خیر الدین مرحوم میں بیٹھے ہوئے مولانا مفتی محمد حسن مرحوم سے اس موضوع پر گفتگو شروع ہوگئی دوران گفتگو مفتی صاحب نے فرمایا:

"میں نے تحقیق مسائل اور عربی ادب کے سلسلے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب اور مولانا محمد عالم صاحب آسی کے علم و استعداد کو جہاں تک سمجھا تھا اس سے بہت آگے پایا۔"

حضرت مولانا آسی جو عربی ادب کے بے بدل استاد تھے اور حضرت مولانا نور احمد کے پیر بھائی بھی تھے، انہوں نے ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کنجاہی کو (جو بغرض ملاقات آئے تھے) یہ کہا:

"مولانا نور احمد مرحوم اپنی مثال آپ تھے ان جیسی خصائل و خصائص کے مالک انسان روز روز نہیں پیدا ہوتے۔"

استاذی حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن مرحوم ہزاروی نائب مدرس مدرسہ نعمانیہ امرت سر سے محترم الحاج حکیم محمد علی صاحب مدظلہ نے پوچھا کہ حضرت مولانا نور احمد صاحب کا مرتبہ بہ لحاظ ولایت کیا تھا؟ مولانا مرحوم نے جواباً فرمایا:

---

(۱) ماہ نامہ "دارالعلوم" دیوبند، اگست ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"مولانا نور احمد صاحب اپنے زمانہ کے قطب تھے۔"(۱)

شاہ ابوالخیر دہلوی کی بیعت وخلافت

قارئین کرام کو یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مولانا صاحب نے مکہ شریف میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور حضرت حاجی صاحب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بلند مرتبہ شیخ تھے۔ مولانا نور احمد صاحب نے پاک و ہند واپس تشریف لانے اور قبلہ حاجی صاحب کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر(۲) دہلوی مجددی نقشبندی کے مرید ہو گئے حضرت شاہ ابو الخیر نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی اور شرفِ بیعت سے سرفراز فرمایا، حضرت شاہ صاحب کے تعلق کے باعث آپ پر نقشبندیت کا ایسا رنگ غالب آیا کہ آپ نے اپنے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور ایسی بے مثال خدمات سرانجام دیں کہ جب تک سلسلہ مجددیہ کا نام زندہ رہے گا اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نور احمد کا نام نامی واسم گرامی بھی باقی رہے گا۔ ان خدمات جلیلہ کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ!

---

(۱) مکتوب حکیم صاحب موصوف بنام راقم الحروف۔

(۲) حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ آپ اس قدر بلند مرتبہ بزرگ تھے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید دہلی سے ہو کر مکہ شریف واپس لوٹا تو حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ حضرت ابوالخیر کی بھی زیارت کی؟ مرید صاحب نے نفی میں جواب دیا تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارا سفرِ ہند رائیگاں گیا۔ (ملخصاً) حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی ۱۳۴۱ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ مزار مبارک خانقاہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ میں حجرے کے اندر حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے دائیں پہلو میں ہے۔ نور اللہ مرقدہما!

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شاہ ابوالخیر کا ایک واقعہ

حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کے متعلق حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع مضمون ماہ نامہ ''الفیض'' امرتسر میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا اس میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ

آں حضرت ﷺ کی زیارت کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کو حیات طیبہ میں نصیب ہوئی۔

دوسری قسم وہ ہے جو بہ حالت خواب حاصل ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ آپ کے روضہ انور واطہر کی حاضری کا شرف میسر ہو۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد حالت بیداری میں شرف زیارت سے مشرف ہو۔

زیارت کی تیسری قسم کے ذیل میں مولانا صاحب نے اپنے شیخ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔اس ایمان افروز واقعہ کو ہم من وعن مولانا ہی کے الفاظ میں تبرکاً ذیل میں درج کرتے ہیں:

''شیخی و مولائی حقائق آگاہ عارف باللہ حضرت ابوالخیر محمد عبداللہ شاہ صاحب دہلوی مرحوم جو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خاندان سے تھے۔انہوں نے مایا کہ جب میں مدینہ طیبہ میں مقیم تھا اپنے استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب[1] مرحوم سے مختصر معانی پڑھا کرتا تھا تو ماہ رمضان مبارک موسم گرما میں آگیا میں دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قرآن مجید سناتا اور ساتھ ہی حضرت استاذ ی سبق پڑھنے پر مجبور کرتے اور مجھے سبق پڑھنا شاق گزرتا۔آخر تنگ

(۱) حضرت مولانا سید حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ مقیم ہو گئے تھے اور شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ میں رہے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آکر حضور علیہ السلام کے روضہ مطہرہ کے پاس بیٹھ کر بطور شکوہ عرض کیا کہ یا حضرت دن کو روزہ رکھتا ہوں اور رات کو قرآن کریم سناتا ہوں اور ساتھ ہی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سبق پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں جب عرض کر چکا تو آپ کے مزار مبارک سے آواز آئی کہ

"کدام حبیب الرحمٰن آں کہ شیفتۂ ماست۔"

یعنی کون حبیب الرحمٰن، وہ جو ہماری محبت میں سرشار ہے۔

(حضور علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بھی فارسی زبان میں عرض کیا ہوگا) آپ (شاہ ابوالخیر صاحب) نے فرمایا کہ ہم نے تو ضرور سنا۔

راقم الحروف (مولانا نور احمد) لکھتا ہے کہ جب یہ لفظ شاہ صاحب نے نقل فرمایا تو میرے ہم راہی مرحوم وجد میں آگئے اور دیر تک اسی حالت میں رہے کچھ آواز ان کے منہ سے نکلتی تھی مگر حواس قائم نہ تھے آخر حضرت شاہ صاحب نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرو جب اس نے ہاتھ پھیرا تو کچھ سکون ہوا اور مجھ پر بھی ایک خاص کیفیت طاری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ وَ للہِ الحمد علٰی ذالك۔ (۱)

اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد مولانا صاحب نے دارمی کی روایت سے اس کی تائید کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت ہے فرمایا کہ جب ایام حرہ کا واقعہ ہوا تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نہ تین روز تک اذان کہی گئی اور نہ اقامت اور حضرت سعید بن مسیب مسجد نبوی میں ہی رہا کرتے تھے اور آپ نماز کا وقت ایک ہلکی آواز سے معلوم کر لیتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے سنا کرتے تھے۔"

(۱) ماہ نامہ "الفیض" امرت سر، رمضان ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ کیسا ہی مبارک زمانہ تھا کہ اس وقت ایسے ایسے پاک نفس اور سچے عاشق رسول بزرگ موجود تھے۔ حضور پاک ﷺ سے انہیں کیسی خاص نسبت تھی۔ افسوس ہزار افسوس کہ ہمارے زمانے میں مقام رسول اللہ کو زیر بحث لانے والے تو بہت ہیں اور اس کے مدعی ہیں کہ ہم شیفتۂ رسولؐ ہیں مگر اندر سے سب خالی اور محض قالی ہیں اور وہ کیسے خوش نصیب مولانا تھے کہ انہیں خود رسول اللہؐ نے اپنا شیفتہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھرے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے، نیز انہی کے ساتھ محشور فرمائے (آمین)

مولانا کو تین بار زیارت ہوئی

اسی مضمون میں بہ حالت خواب زیارت سے مشرف ہونے کے سلسلے میں مولانا صاحب نے لکھا ہے:

> ''فقیر راقم الحروف کو بھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تین بار اس شرف سے مشرف فرمایا اس کی تفصیل میں طول ہے۔''(1)

شرف زیارت کے حصول کا نسخہ

حضرت نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت حاصل کرنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس شرف کے حصول کی خاطر بزرگان دین سے ایک طریق یہ بھی منقول ہے کہ بدن اور کپڑے خوب صاف کر کے نماز عشاء کے بعد کچھ دیر تک خوب توبہ واستغفار کرے پھر درود شریف جو مندرجہ ذیل ہے اخلاص اور حضور قلب سے پڑھنا شروع کرے یہاں تک پڑھے کہ پڑھتے پڑھتے نیند غالب آجائے اور اسی حالت میں سو جائے

(1) ماہ نامہ ''الفیض'' امرت سر، شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء صفحہ ۱۴

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امید ہے کہ اس شرف سے مشرف ہوگا۔ درود شریف یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا الْمُصْطَفٰى وَ اٰلِهِ الْمُجْتَبٰى بِعَدَدِ اَسْمَاءِكَ الْحُسْنٰى لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَبِيْبَكَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَايَنًا فِيْ عَيْنِيْ كَمَا جَعَلْتَهٗ مُشَاهَدًا فِيْ قَلْبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكَ نَوِّرْ وَ شَرِّفْ عَيْنِيْ بِمُعَايَنَتِكَ وَ رُؤْيَتِكَ كَمَا نَوَّرْتَ وَ شَرَّفْتَ قَلْبِيْ بِمُشَاهَدَتِكَ فَاِنِّيْ مُشْتَاقٌ اِلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (۱)

مولانا سے صلحاء و اولیاء کے تعلقات

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حین حیات تک مسجد حاجی شیخ بڈھا مرحوم اولیا، اصفیا اور علما کا مسکن و مستقر بنی رہی کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ کوئی نہ کوئی بزرگ مولانا کی ملاقات کے لیے تشریف نہ لاتے کئی کئی دن مولانا انہیں مہمان رکھتے حضرت مولانا میاں شیر محمد شرق پوری (متوفی 1347ھ/1928ء)، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری (متوفی 1358ھ/1939ء)، حضرت پیر حافظ سید جماعت علی شاہ علی پوری (متوفی 1370ھ)، حضرت میر لطف اللہ مرحوم سجادہ نشین مکان شریف، مولانا پیر سراج الحق چشتی صابری گورداس پوری، مولانا میر جعفر علی شاہ طلا نور والے، حضرت خواجہ عبد الخالق نقشبندی ساکن جہاں خیلاں ضلع ہوشیار پور اور حضرت مولانا ابو سعد احمد خاں کندیاں والے۔ ان حضرات مشائخ میں سے جب بھی کسی بزرگ کا امرت سر میں ورود مسعود ہوتا تو مولانا صاحب کے پاس ضرور تشریف لاتے۔ بعض مشائخ کا تو قیام ہی مسجد شیخ بڈھا میں رہتا۔

علمائے دیو بند میں سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند کئی دفعہ امرت سر تشریف لائے اور مولانا صاحب کے پاس

(۱) ماہ نامہ الفیض امرت سر، شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء صفحہ ۱۴

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قیام فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ

مولانا نور احمد صاحب عالم ربانی ہیں۔

مولانا نور احمد صاحب نے اپنے صاحب زادے مولانا محمد سلیمان صاحب مد ظلہ کو حضرت شاہ صاحب سے بخاری شریف کی بسم اللہ کرائی۔

مولانا مفتی محمد حسن صاحب ہر سال رمضان سے قبل تھانہ بھون چلے جاتے تھے اور سارا رمضان وہیں گزارتے تھے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مفتی محمد حسن صاحب تھانہ بھون پہنچے تو مولانا تھانوی نے مولانا نور احمد کی خیریت دریافت فرمائی۔ مفتی محمد حسن صاحب نے جواباً عرض کیا کہ

''اب ان کی ڈاڑھی میں کچھ سفید بال آگئے ہیں۔''(۱)

یہ سن کر مولانا تھانوی نے فرمایا:

''وہ پہلے نور احمد تھے اب نور اللہ ہو گئے۔''

مولانا نور احمد کے وصال کے بعد مولانا تھانوی امرتسر تشریف لائے تو مولانا نور احمد کی مرقد منور پر گئے اور دیر تک کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے رہے دعا سے فارغ ہوئے تو مولانا محمد حسن نے عرض کیا:

''اگر آپ ان کی زندگی میں تشریف لاتے تو وہ بہت خوش ہوتے۔''

مولانا تھانوی صاحب نے جواب دیا کہ

''اب بھی خوش ہوں گے۔''

مولانا محمد علی صاحب مونگیری مرحوم و مغفور سے بھی آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ مولانا نور احمد نے ان کو ایک دفعہ خط لکھا کہ اپنا کوئی کپڑا میرے بچوں کے لیے تبرکاً بھیج دیجئے۔ مولانا مونگیری نے اپنا عمامہ پارسل کر دیا۔ مولانا نور احمد نے یہ عمامہ

(۱) مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ڈاڑھی وقتِ رحلت بھی پوری طرح سفید نہ تھی۔ یعنی آپ کو بہت دیر بعد سفید بال آنا شروع ہوئے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنے بیٹوں کو دے دیا کہ اسے برکت کے لیے رکھو۔

- مولانا سلیمان صاحب کا بیان ہے کہ تقسیم ملک کے وقت تک یہ عمامہ میرے پاس محفوظ تھا۔ مولانا محمد سلیمان صاحب نے بتایا ہے کہ ایک عورت نے جو ہماری رشتہ دار تھی مولانا مرحوم سے اپنے بچوں کے لیے کوئی کپڑا مانگا تو آپ نے فوراً اپنی پگڑی منگوا کر دے دی۔ (۱)

حضرت شرق پوری کا ایک سائل کو فرمان

امرتسر کے مشہور رئیس شیخ میاں فضل حسین تاجر چرم کو ایک لاکھ روپے کا خسارہ ہو گیا۔ شیخ صاحب گھبرا کر حضرت میاں شیر محمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی حضرت میاں صاحب نے شیخ صاحب کا اتا پتا پوچھ کر فرمایا۔ واپس امرتسر جاؤ وہاں مسجد شیخ بڈھا میں جو خدا کے ولی رہتے ہیں ان سے دعا کراؤ۔ تمہاری پریشانی رفع ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

میاں صاحب کے ارشاد کے مطابق شیخ صاحب سیدھے مسجد شیخ بڈھا میں حضرت مولانا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد بیان کیا مولانا نے دعا فرمائی اور تسلی دی شیخ صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا صاحب کی دعا ایسی مقبول ہوئی کہ ایک لاکھ روپیہ کا جو خسارہ تھا وہ بہت جلد پورا ہونے کے علاوہ اسی

(۱) مولانا مولوی شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "اکثر مشائخ کا معمول ہے کہ جس مرید میں رغبت پاتے ہیں یا کسی کی استعداد دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی کسی خاص چیز کو برکت و محبت کی نظر سے لینے کی تمنا کرتا ہے اس کو ایسی چیز تبرکاً دے دیتے ہیں اور اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ حضرات اپنے کو بابرکت سمجھتے ہیں، بل کہ مقصود دوسرے کے تطییب قلب ہوتا ہے جو بناء بر حُسنِ ظن اس کا متدعی ہوتا ہے۔ (التکشف عن مہمات التصوف، مطبوعہ لاہور، ص ۵۳۰)

مولانا نے تبرکات کے لینے دینے کے جواز میں صحیح احادیث پیش کی ہیں۔ تفصیل کے لیے "التکشف" کے صفحات ۴۸۷، ۴۹۸، ۵۲۲، ۵۳۰ ملاحظہ ہوں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سال مجھے مزید چودہ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔

کسرنفسی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی اور آپ کا روحانی مرتبہ نہایت بلند تھا۔علوم ظاہری کے تو بحر ذخار تھے ہی۔ اس درجہ کے باکمال ہونے کے باوجود آپ نے اپنی زندگی میں صرف دو ایک آدمیوں کو مرید کیا اور اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا، آپ اسے کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیتے۔ مولانا محمد سلیمان صاحب بی اے نے بتایا ہے کہ آپ بیعت کے خواہش مندوں کو حضرت میاں صاحب شرق پوری، حضرت مولانا سراج الحق گورداس پوری، حضرت میر لطف اللہ صاحب مکان شریفی اور حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمہم اللہ میں سے کسی ایک سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا کرتے اور جب تک حضرت شاہ ابوالخیر زندہ رہے ایسے لوگوں کو ان کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ حکیم حاجی محمد علی صاحب مدظلہ جو حضرت تھانوی علیہ الرحمتہ کے مرید ہیں ان کی روایت ہے کہ بعض لوگوں کو آپ نے مولانا تھانوی کی خدمت میں جانے کا مشورہ بھی دیا۔

مسلک

مولانا علیہ الرحمتہ بڑے عالی ظرف اور معتدل مزاج صوفی بزرگ تھے۔ فرقہ بندی اور پارٹی بازی وغیرہ قسم کے گھٹیا خیالات سے آپ کو دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا علامہ احمد حسن کان پوری، حضرت رحمت اللہ کیرانوی ثم مکی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کا جیسا معتدل مسلک تھا، ویسا ہی ان کا تھا۔ بریلوی، دیوبندی اور وہابی قسم کے جھگڑوں کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عود الی المقصود

حضرت مولانا ﷫ کے روحانی مقام و مرتبہ کے سلسلے میں اور بھی بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں، مگر ہمیں زیادہ تر یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا علمی خدمات انجام دیں اور آپ کا علمی مرتبہ کس پایہ کا تھا۔ اگرچہ اس سلسلے کی بہت سی باتیں ہم لکھ آئے ہیں مگر قارئین کرام کے اذہان کو پھر ایک بار اسی طرف مبذول کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ کا ایک شعر

جناب عرشی صاحب جو امرت سر کے معروف ادیب اور شاعر ہیں آپ نے حضرت مولانا ﷫ کے ملفوظ بھی سنے ہیں اور آپ کی بعض تالیفات کا مطالعہ بھی دلی عقیدت سے کیا ہے، انہوں نے اپنے ایک مضمون کی تمہید میں لکھا تھا:

"ہمارے شہر امرت سر میں ایک بزرگ تھے مولانا نور احمد (﷫) مکہ معظمہ میں برسوں درس حدیث دے چکے تھے۔ امرت سر میں مدتوں تدریس و تصنیف کے ذریعے اسلام کی اہم خدمات انجام دیں۔ شریعت ظاہری کے ساتھ طریقت باطنی کے بھی رمز آشنا تھے۔ سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔ حضرت مجدد (﷫) کے مکتوبات کو تہذیب و تحشیہ سے شائع کیا، تصوف کی کئی ایک اہم کتب کے ترجمے اور شرحیں لکھیں۔ ایسی ہی ایک کتاب مدت ہوئی میری نظر سے گزری تھی۔

میں انہیں عالم و عارف تو جانتا ہی تھا لیکن اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ شعر سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب کے حاشیے پر ایک شعر تھا جس کے نیچے "لمترجمہ" مرقوم تھا، یعنی شعر مترجم کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طبع زاد ہے۔ میں حیران رہ گیا کہ حضرت مولانا شاعر بھی تھے، یہ مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا۔ اور شعر بھی اس پائے کا کہ اگر وہ عمر بھر میں صرف وہی ایک شعر کہتے تو ان کے شاعر عارف ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شعر جو اسلام و عرفان کی جان ہے ملاحظہ فرمایئے۔

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَه عِوَضٌ
وَ لَیْسَ لِلّٰهِ اِنْ فَارَقْتَ من عِوَضٖ

یقین کیجئے کہ میں ہفتوں اس شعر کے نشے سے سرشار رہا۔ اب بھی جب کبھی یاد آجاتا ہے تو ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ میرے دماغ میں اس کی شرح پھیلتی چلی گئی، اور کائنات کی ہر چیز جس تک میرے فہم کی رسائی ہوسکتی تھی، "لکل شیء" کے احاطے میں سمٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ شعر کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز جو تم سے چھن جائے، اس کا کوئی نہ کوئی عوض یا بدل ممکن ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر تم روح کائنات اور حقیقۃ الحقائق خدائے پاک سے کٹ گئے تو اس کا بدل نہیں پاسکو گے۔"(۱)

راقم الحروف کی نظر سے بھی آپ کے دو شعر گزرے ہیں، جو آپ نے اپنے مرشد حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کہے ہیں، یہ شعر کنز الہدایات کے صفحہ 105 پر مرقوم ہیں: ؎

وجودش ہمہ خیر آمد پدید	بایں شکل خیر مجسم کہ دید؟
فتد چشم لطفش بناقص اگر	کند کامل دہر از یک نظر

---

(۱) روزنامہ "امروز" لاہور، ۱۷ر جولائی ۱۹۵۹ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تراجم وتوالیف

حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا یا جن کتابوں کے ترجمے کیے وہ زیادہ تر سلسلہ نقش بندیہ کے مکاتیب وملفوظات ہیں۔اور یہ اتنا بڑا کام ہے جو مولانا کے نام نامی کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہونے کے علاوہ ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بھی ہے اور حق یہ ہے کہ مولانا نے تصوف کے اس قیمتی سرمائے کو تباہ و برباد ہونے سے بچا کر اور ان میں نقل در نقل کے باعث جو بے حد غلطیاں پیدا ہوگئی تھیں انہیں رفع کر کے تصوف ومتصوفین پر احسان عظیم کیا ہے۔اور اس بے مثال خدمت کی بدولت مولانا نے بزرگان نقش بند خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وعروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم کی ارواح طیبہ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

◆ ۱ مبدا ومعاد

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اس مبارک رسالے کو تصحیح اور ضروری نوٹ لکھ کر شائع فرمایا۔یہ مبارک رسالہ 1330ھ میں طبع ہوا۔

◆ ۲ مکتوبات امام ربانی

مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح وتحشیہ کے سلسلے میں آپ کی کوششیں یقیناً بے مثال ہیں۔ناشرین کی بے پروائی اور مصححین کی سستی یا کم فہمی کے باعث مکتوبات میں بہت سی تحریف واقع ہوئی اور کئی عبارتیں مسخ ہوچکی تھیں۔اس حالت کو دیکھ کر مولانا مرحوم نے ان کی تصحیح کا کام شروع کیا اور اس غرض سے اطراف واکناف ملک سے قلمی مکتوبات اکٹھے کیے اور کمال عرق ریزی ومحنت کے ساتھ ہر ہر حرف کا بار بار مقابلہ کر کے اصل متن کی تصحیح فرمائی نیز حواشی لکھ کر نکات دقیقہ اور معارف لطیفہ کو مشرح کردیا۔علاوہ ازیں مشکل الفاظ واصطلاحات کا حل بھی لکھ دیا،اور عربی عبارتوں پر اعراب لگانے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے علاوہ ان کا فارسی میں ترجمہ بھی کر دیا۔ متن میں جہاں آیات واحادیث ہیں ان کا فارسی میں ترجمہ کرنے کے علاوہ ان کے حوالے بھی لکھ دیئے، تا کہ قارئین اپنے اصل مقام پر بھی ان آیات واحادیث کو دیکھ سکیں۔

اصل مکتوبات تو تین دفتروں میں ہیں۔ مگر مولانا مرحوم ومغفور نے ان کو نَو (۹) حصوں میں منقسم کر کے شائع کیا کیونکہ کتابت نہایت عمدہ اور جلی کرائی۔ حواشی کا اضافہ اس پر مستزاد تھا۔ کاغذ بھی نہایت اعلیٰ لگانے کا انتظام کیا۔ اس لیے ان کو نو حصوں میں تقسیم کرنا نہایت ضروری تھا۔ مکتوبات شریف کے دفتر اول کے جزواوّل کی تصحیح وتحشیہ کا کام ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور دفتر سوم کا آخری حصہ یعنی جزونہم اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء کو چھپ کر منظر عام پر آیا۔

یہ مکتوبات اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کے مختلف حصوں کے کئی کئی ایڈیشن چند سالوں میں نکل گئے اور کثیر تعداد میں تاش قند، یارقند، سمرقند (بخارا) اور افغانستان میں فروخت ہوئے۔ مستشرقین یورپ نے بھی منگوائے۔ اب یہ مکتوبات بالکل نادر و نایاب ہو چکے ہیں، مگر ان کی مقبولیت کے مدنظر افغانستان کے کسی تاجر نے ان کے کچھ حصے مولانا مرحوم کا نام لکھے بغیر چھاپ دیے ہیں۔ چار پانچ برس ہوئے جب میں نے یہ مکتوبات (مطبوعہ افغانستان) لاہور میں کسی دوست کے پاس دیکھے تھے۔ مگر یہ امرت سری مطبوعہ جیسے قطعاً نہیں ہیں اور ناشر نے مولانا مرحوم کا نام نہ لکھ کر نہایت غیر مناسب حرکت کی ہے۔ مولانا کے شائع کردہ مکتوبات کے متعلق مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری لکھتے ہیں:

> ''امام ربانی کے مکتوبات کے تین دفتر ہیں۔ سب سے بہتر اور دیدہ زیب ایڈیشن وہ ہے جس کو خاص الخاص اہتمام سے مطبع مجددی امرت سر نے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا تھا۔ اس پر نہایت مفید حواشی بھی ہیں اور تصحیح کا بھی حق ادا کر دیا گیا ہے۔ یہ فُل سکیپ سائز کے ۱۲۶۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صفحات پر ختم ہوا ہے۔"

(تذکرہ مجدد الف ثانی، مرتبہ محمد منظور نعمانی، مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۹۷)

یہ مکتوبات تین قسم کے کاغذوں پر شائع ہوئے تھے۔ سفید چکنے اور ولایتی کاغذ کی قیمت تیس روپے، کاغذ سفید ولایتی پچیس روپے، کاغذ بادامی کی قیمت بیس روپے تھی۔ اگر اس وقت یہ مکتوبات اُسی شان سے شائع ہوں تو موجودہ نرخ کے لحاظ سے یک صد روپیہ قیمت کچھ بھی زیادہ نہ ہوگی۔

دو سال ہوئے جناب محترم مولانا محمد سلیمان صاحب مدظلہٗ نے مجھے لندن کے کسی فاضل شخص کا خط دکھایا تھا، جس میں تحریر تھا کہ

"مجھے مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے محشّی مکتوبات کی اشد ضرورت ہے، کسی قیمت پر بھی ملیں، میں ضرور لوں گا۔"

راقم آثم نے محترم مولانا محمد سلیمان صاحب کی خدمت میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ ان مکتوبات کو پھر طبع کرائیے، مگر وہ ٹال جاتے رہے۔ اب انہوں نے بتایا ہے کہ میں پہلا حصہ عنقریب شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس نیک ارادے کو شرف تکمیل بخشیں۔ (آمین)

۳ مکتوبات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ جلد ثالث

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے خلف الرشید حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیبِ شریفہ فنِ تصوف کی پاک اور اصلی تعلیمات کا ایک بیش بہا گنجینہ ہیں۔ ان مکتوبات کی پہلی اور دوسری جلد تو مختلف مطابع کی طرف سے شائع ہو چکی تھی، مگر تیسری جلد اُس وقت تک شائع نہ ہوئی تھی، بل کہ بعض حضرات کو ان کی تیسری جلد کا علم بھی نہ تھا۔ اس نادر و نایاب مجموعہ مکاتیب کو تصحیح و تنقیح اور نہایت گراں قدر حواشی لکھ کر بڑے اہتمام سے شائع کرایا۔

۴ کنز الہدایات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ کتاب حضرت مولانا محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بن مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس کو بھی مولانا مرحوم نے تصحیح وغیرہ کے بعد نہایت عمدہ کاغذ پر بڑی عمدگی سے چھپوایا۔ یہ کتاب ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اور اس کے آخر میں رسالہ کحل الجواہر، رسالہ مُلّا جامی رحمۃ اللہ علیہ در بیان ذکر خفی و مختصر سوانح حیات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ از شاہ رؤف احمد شامل کر دیے گئے ہیں۔

۵ شمائل ترمذی

اس مشہور و معروف رسالے کا ترجمہ کیا، اس کی عربی عبارت جلی مع اعراب کے اور ترجمہ بین السطور ہے۔ یہ نوے (۹۰) صفحات کا رسالہ ۱۳۴۱ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

۶ ہدایۃ الطالبین

یہ کتاب قیوم دوراں حضرت شاہ ابوسعید دہلوی نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اس کے بعض مشکل مسائل کا حل بھی لکھ دیا۔ ترجمہ اس طرح کیا کہ ایک کالم میں اصل فارسی عبارت رکھی اور اس کے بالمقابل ترجمہ دے دیا ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں طبع ہو کر مطبوع اہلِ نظر ہوئی۔

۷ ملفوظات مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے ملفوظات کا ترجمہ کیا جو ماہ نامہ ''الفیض'' امرت سر میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ اس ترجمے کی پہلی قسط رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء کے پرچے میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا، مگر جہاں تک میرا خیال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے یہ ترجمہ مکمل نہیں ہو سکا تھا۔

6 شرح اسماء الحسنٰی

اسماء الحسنٰی کی نہایت عمدہ شرح و تفسیر تحریر فرمائی، جو ماہ نامہ ''الفیض'' میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ اس مضمون کی پہلی قسط جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں چھپی تھی۔

ترجمہ ملفوظات حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ (اگر مکمل ہو چکا ہو) اور شرح اسماء الحسنٰی چونکہ مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں اگر انہیں مولانا مرحوم کے اخلاف کتابی صورت میں شائع فرمادیں تو طالبانِ تصوف و احسان پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔

خصائل و عادات

محترم و مکرم الحاج حکیم محمد علی صاحب مدظلہٗ نے حضرت مولانا مرحوم و مغفور کے کچھ حالات لکھ کر ارسال فرمائے ہیں، ان میں سے عنوان کے لحاظ سے ضروری باتیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زندگی بالکل سادہ اور بے تکلف تھی، جب کبھی عام لوگوں کے ساتھ کہیں جانے کا اتفاق ہوتا تو آپ سب کے پیچھے پیچھے چلتے۔ اگر کوئی آگے سے ہٹ کر پیچھے ہونے لگتا تو آپ کہتے کہ بھائی میں آہستہ چلوں گا، آپ آگے ہو کر چلو۔

تقریر یا وعظ بالکل سادہ اور عام فہم ہوتا، شعر و اشعار یا فرضی قصے کہانیاں ہرگز بیان نہ کرتے، صرف قرآنی آیات کی تفسیر اور ثقہ روایات عام فہم الفاظ میں بیان فرما دیا کرتے۔ آپ کی یہ سادہ تقریر ایسی مؤثر ہوتی کہ اکثر اوقات سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ اپنے وعظوں میں ہمیشہ متفقہ مسائل بیان فرماتے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اختلافی مسائل کے نزدیک بھی نہ جاتے۔

رمضان شریف میں ایک قرآن کریم عام لوگوں کے ساتھ سنتے اور دوسرا تہجد کے نوافل میں۔ حافظ محمد قاسم صاحب لدھیانوی مرحوم عموماً قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ آپ ان حافظ صاحب پر بہت زیادہ خوش تھے۔

آپ اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔ کسی طالب علم سے اپنا ذاتی کام ہرگز نہ کراتے اور گھر کا سودا سلف خود خرید کر لاتے۔ جب کبھی خرید و فروخت کے لیے نکلتے تو بالکل اکیلے نکلتے۔ آپ کبھی اس طرح بازار میں نہیں چلے کہ ساتھ طلبا اور معتقدین کا ہجوم ہو۔ کسی شاگرد کو اجازت نہ تھی کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوئے ہیں اور اپنے کام خود کیے ہیں اس لیے ہمیں اُن کے پیروی کرنی چاہیے اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔

آپ کو آخر عمر میں کبھی کبھی دردِ نقرس ہونے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ اس مرض کے دورہ نے طول پکڑا، آپ صاحبِ فراش ہو گئے۔ علاج کے لیے کوئی گرم دوائی مقدار خوراک سے زیادہ کھائی گئی تو اس کے سبب پاخانے کے ساتھ خون آنے لگ گیا۔ ڈاکٹر حاجی اشفاق محمد مرحوم نے یہ حالت دیکھ کر کہہ دیا کہ آپ کو بواسیر ہو گئی ہے۔ مولانا نے فوراً جواب دیا:

"ڈاکٹر صاحب! اللہ تعالیٰ سے ایسی امید نہیں کہ وہ مجھے ایسی تکلیف میں مبتلا کریں گے۔"(1)

چنانچہ دو چار دن کے بعد یہ تکلیف رفع ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ صرف گرم دوا کے استعمال سے خون آ گیا تھا۔ بواسیر ہرگز نہ تھی۔ اسی دوران مولانا نے اپنے صاحب زادے مولانا محمد سلیمان صاحب کو فرمایا:

---

(1) مولانا نے غالباً اس لیے یہ فرمایا ہوگا کہ بواسیر تکلیف دہ بیماری ہونے کے ساتھ ساتھ آدمی کو پاک صاف نہیں رہنے دیتی اور عابدوں زاہدوں کے لیے پاک صاف رہنا نہایت ضروری ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"مسجد میں جہاں میں بیٹھتا ہوں وہاں جو چھوٹی الماری ہے اس میں دھاگے کا بٹوا رکھا ہے، اس میں کچھ روپے جمع ہو گئے ہیں اور میں روپے جمع نہیں ہونے دیا کرتا تھا۔ غالباً یہ تکلیف اسی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ بٹوا اٹھا لاؤ۔"

مولانا محمد سلیمان صاحب کا بیان ہے کہ میں بٹوا لے کر حاضر ہوا تو آپ نے طلبا کو بلا کر ان میں تمام روپے تقسیم کر دیئے اور اس کے بعد آپ دو چار روز ہی میں تندرست ہو گئے۔

آپ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ مستحق امداد رشتہ داروں کو نہایت خفیہ طور پر رقم بھجوانا آپ کا معمول تھا۔

مستری نور محمد صاحب نے ایک دفعہ بتایا کہ مجھے پختہ عمر میں نماز پڑھنے کا خیال پیدا ہوا، لیکن تعلیم دین سے بالکل بے بہرہ تھا۔ صحیح طور پر وضو کرنا بھی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک دن میں مسجد شیخ بڈھا کے حوض پر وضو کر رہا تھا کہ مولانا کی نظر پڑ گئی، اور آپ بھانپ گئے کہ بالکل اناڑی ہے۔ یہ دیکھ کر آپ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ذرا مسجد کی چھت پر چلو کچھ کام ہے، پانی کا لوٹا بھی ساتھ لے لو۔ اوپر جا کر جہاں بالکل تنہائی تھی مولانا نے فرمایا: بھائی تم کو وضو کرنا نہیں آتا، وضو کا طریقہ سکھانے کے لیے تمہیں اوپر لایا ہوں۔ مستری صاحب مرحوم کہتے تھے کہ وضو کا طریقہ سکھانے کے بعد فرمایا: فلاں وقت میں بالکل اکیلا ہوتا ہوں اُس وقت آ کر نماز پڑھنے کا طریقہ اور ضروری مسائل سیکھ جایا کرو۔

کس قدر بلند اخلاق اور سمجھ دار مبلغ اسلام تھے مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے اس بات کو سمجھا کہ اگر لوگوں کے سامنے اس نووارد معمر کو کچھ سمجھایا تو ایسا نہ ہو کہ مارے شرم کے پھر یہ کسی مسجد میں قدم ہی نہ رکھے۔

مولانا پیر محمد شاہ اندرابی مرحوم امام مسجد رحمانیہ آرام گلی لاہور سے میں نے کہا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ مولانا نور احمدؒ کی زندگی اور عادات و خصائل کے متعلق کچھ بتایئے تو انہوں نے قرآن کریم کی یہ دو آیتیں پڑھ دیں:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا۔

"اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے ہو کر راتیں بسر کرتے ہیں۔"

یعنی قرآن کریم نے اس مقام پر نیک بندوں کے جو فضائل بیان کیے ہیں وہ مولانا مرحوم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

حلیہ ولباس

آپ نہایت خوب صورت اور وجیہ تھے۔ چہرہ سرخ و سفید، بدن صاف و شفاف تھا۔ سر پر پٹھے (لمبے بال) رکھتے تھے۔ پیرین کے باوجود ریشِ مبارک بالکل سفید نہیں ہوتی تھی۔ لباس نہایت سادہ زیب تن فرماتے جو آپ کے نورانی بدن پر خوب پھبتا تھا۔ مکلّف لباس پہننے سے عمر بھر احتراز کیا۔ جناب مولانا محمد سلیمان صاحب مدظلہ نے راقم الحروف کو بتایا کہ ایک مرتبہ مولوی عبداللہ درزی اور میری خواہش پر گرم کوٹ بنوا لیا۔ لیکن اُسے پہنا نہیں۔ کھونٹی پر ہی لٹکتا رہا۔ ایک دن کوئی غریب آیا اور اُس نے سردی کی شکایت کی۔ مولانا نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کوٹ کو اُتار کر لے جاؤ اور پھر باہر جا کر پہننا۔ پھر فرمایا کہ جلدی سے چلے جاؤ۔ کہیں سلیمان دیکھ کر ناراض نہ ہو۔ آپ موسمِ سرما میں روئی کی واسکٹ پر ایک گرم کپڑے کی واسکٹ پہنتے اور اوپر چادر اوڑھ لیتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بحث ومناظرہ سے احتراز

آپ پر حقیقی تصوف کا اس درجہ اثر تھا کہ زندگی بھر کسی سے بحث ومناظرہ نہیں کیا اور جو لوگ اس کے عادی تھے انہیں بطریق احسن اس سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بحث ومناظرہ کا بازار گرم کرنے سے بے عملی پیدا ہوتی اور گمراہی پھیلتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مرحوم (متوفی ۱۹۴۸ء) کو خاص طور پر سمجھایا کرتے تھے کہ آپ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے علماء سے جو مناظرے کرتے رہتے ہیں یہ دین کی خدمت نہیں بل کہ دشمنی ہے۔

بزرگ محترم حکیم مہرالدین صاحب راوی ہیں کہ میں نے ثناء اللہ صاحب کے پاس احیاء علوم الدین [1] رکھی دیکھی تو ان سے پوچھا کہ آپ کے مسلک کے خلاف کتاب آپ کے پاس کیسے آئی ہے؟

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے جواب دیا:

"مولانا نور احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ احیاء العلوم کے باب فتن العلم پڑھو۔ پھر آپ کو مناظرہ بازی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اب مولانا نے خود ہی کتاب بھیج دی ہے اور میں نے یہ باب پڑھا ہے اس کے مطالعہ سے میرے سر پر پانی پڑ گیا ہے اور یہ سبق ملا ہے کہ و تبتل الیہ تبتیلا (اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی

(۱) اخبار "اہلحدیث" امرت سر کے منیجر حکیم سردار خاں نشاط رحمہ اللہ جوانی سے پیری تک مولانا ثناء اللہ کے دفتر میں ملازم رہے انہوں نے راقم سے بیان کیا کہ مولانا نور احمد نے مولانا ثناء اللہ مرحوم کو علامہ ابن جوزی کی تصنیف تلبیس ابلیس مطالعہ کے لیے دی تا کہ وہ مناظرہ ومباحثہ کے مضر اثرات سے آگاہ ہو کر اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ ممکن ہے کہ حکیم مہرالدین صاحب اور حکیم سردار خاں مرحوم دونوں کی روایتیں صحیح ہوں اور مولانا نور احمد صاحب نے تلبیس ابلیس اور احیاء العلوم دونوں کتابیں بیک وقت یا مختلف اوقات میں مولانا ثناء اللہ مرحوم کی تبلیغ حق اور خیر اندیشی کے خیال سے دی ہوں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرف متوجہ ہو جاؤ)۔“

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے یہ بھی فرمایا:

”جب ہم اپنی تصانیف کو دیکھتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ ہم اپنے اخلاف کے لیے کیا چھوڑ کر جائیں گے۔“

مگر مولانا ابوالوفا پر یہ اثر وقتی تھا۔ بحث و مناظرہ ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیک خدمات کے صلے میں ان کو اپنی رحمت سے نوازیں۔

خوف وخشیتِ الٰہی

مولانا صاحبؒ غایت درجہ عابد وزاہد اور پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خشیت الٰہی رکھتے تھے جو جانِ عبادت اور روح زہد ہے۔ حاجی عبدالغفور مرحوم و مغفور جو ایک عرصہ دراز تک مسجد شیخ بڈھا میں مؤذن کے فرائض انجام دیتے رہے تھے ان کی روایت ہے کہ ایک رات قریباً دو۲ بجے مسجد سے رونے کی آواز آئی۔ میں دبے پاؤں وہاں گیا۔ دیکھا تو حضرت مولانا نور احمدؒ رو رہے تھے اور روتے روتے ہچکی بندھ چکی تھی۔ میں ذرا ہٹ کر کھڑا رہا۔ آپ یہ پڑھ رہے تھے:

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ۔ (۱)

اور ایک دفعہ یہ بھی کہا:

الٰہی	عاصیم	استغفر	اللہ
توئی	فریاد	رس	الحمد للہ (۲)

شیخ سعدیؒ نے ایسے حضرات ہی کے لیے فرمایا ہے:

(۱) میں ہر ہر گناہ سے اللہ کی بخشش چاہتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ ”فیض“

(۲) یا اللہ میں گنہ گار ہوں۔ مغفرت کا طالب ہوں تو ہی فریاد کو پہنچنے والا ہے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ”فیض“

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عاصیاں از گناہ توبہ کنند

عارفاں از عبادت استغفار

یعنی گنہ گار اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عارف اپنی عبادت کو ہیچ سمجھ کر استغفار کرتے ہیں۔[1]

اللہ بخش زرگر مرحوم امرت سری حضرت مولانا مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک نوجوان آیا۔ اور اس نے کہا: ”حضرت! میں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ آپ مجھے سند لکھ دیجئے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔“

مولانا صاحبؒ نے قلم اٹھایا اور لکھ دیا۔ جب وہ نومسلم چلا گیا تو اللہ بخش زرگر نے عرض کیا:

”حضرت ایک کاغذ پر مجھے بھی لکھ دیجئے کہ میں مسلمان ہوں۔“

مولانا یہ سن کر زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ

بھائی وہ تو قانونی بات تھی۔ اس لیے میں نے لکھ دی۔ دراصل مجھے تو اپنے متعلق بھی معلوم نہیں کہ میں حقیقتاً مسلمان ہوں یا نہیں ایسی صورت میں آپ کو مسلمانی کا سرٹیفکیٹ کیسے لکھ دوں!

حزم و احتیاط

آپ متفقہ طور پر امرت سر کے مفتی اعظم تسلیم کیے گئے تھے۔ لیکن اس معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ جب تک انہیں ہر طرح سے اطمینان نہ ہو جاتا ہرگز فتویٰ نہ دیتے۔ عید الفطر کے موقع پر رویت ہلال کے متعلق اکثر جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ جھوٹی سچی شہادتیں پیش کر کے مفتیوں سے زبردستی فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک دفعہ آسمان ابر آلود تھا اور چاند کا نظر آنا ناممکن تھا لوگ فتویٰ حاصل کرنے کے لیے مسجد شیخ

(۱) شعر کے اس ترجمے میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ فیض

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بڈھا میں جمع ہو گئے۔ مولانا مسجد میں موجود نہ تھے اور تلاش بسیار کے باوجود آپ کا پتہ نہ چلا کہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے مایوس ہو کر دوسرے علماء کی طرف رجوع کیا۔ اگلے دن جناب محترم عبدالمجید صاحب پوسٹ ماسٹر نے دریافت کیا، حضرت آپ کل کہاں چلے گئے تھے تو آپ نے بتایا کہ

''بھائی دانستہ غائب ہو گیا تھا اور رات فلاں مسجد میں چھپ کر گزاری۔ کیونکہ چاند مجھے تو نظر آیا نہ تھا اور نہ ہی کسی اور کو آنے کا امکان تھا۔ لیکن لوگ حسب عادت فتویٰ حاصل کرنے پر اصرار کیا کرتے ہیں اور میں مشتبہ امر میں فتویٰ دینے سے ڈرتا ہوں۔''

توکل واستغنا

مولانا مولوی سید دیدار علی شاہ الوریؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ) کے تقرر سے قبل مرزا سر ظفر علی جج متولی مسجد وزیر خان مرحومؒ نے کئی بار امرت سر میں مولانا نور احمد کی خدمت میں حاضر ہو کر مسجد وزیر خان کی خطابت قبول کرنے کی درخواست کی مگر آپ انکار کرتے رہے اور فرمایا:

''میرے لیے یہی گوشہ تنہائی کافی ہے۔''

مولانا مرحوم کے انکار پر مولانا دیدار علی مرحوم کو جج صاحب نے خطیب مقرر کیا۔

آپ نے جب مکتوبات حضرت مجدد ''شائع کیے تو یہ مسٹر الفرڈ وولنر (ALFRED WOOLNER) وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی نظر سے گزرے۔ الفرڈ ان کے مطالعہ سے بہت محظوظ ہوا اور مولانا کی لیاقت وقابلیت کا قائل ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مولانا کو امرت سر خط لکھا کہ میں آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہوں مگر مولانا نے لاہور آنے سے انکار کر دیا۔ آخر اس نے مولانا نجم الدین مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج کو دستی چٹھی دے کر مولانا کی خدمت میں بھیجا جس میں ملاقات کی خواہش کا اعادہ کیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا۔ لیکن آپ نے پھر معذرت لکھ بھیجی۔

اس کے بعد وولنر نے آپ کو اورینٹل کالج میں (بحیثیت اول مدرس عربی) لانے کی کوشش کی مگر اس کی یہ اُمید بھی پوری نہ ہوئی۔ پھر اس نے مولوی فاضل کے امتحانات کے نگران اعلیٰ بننے کے متعلق لکھا تو آپ نے یہ لکھ بھیجا:

''میں فقیر آدمی ہوں مجھے ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں۔''

اُمرا سے بے نیازی

حضرت مولاناؒ کے عقیدت مندوں میں بے شمار رؤسا و امراء بھی تھے۔ مگر ان سے آپ کا برتاؤ ہمیشہ مناسب طور سے رہا۔ کبھی ایسا نہیں ہونے دیا جس سے یہ ثابت ہو کہ بارگاہِ علم وفقر میں بھی ان کی حیثیت وہی ہے جو فرنگی کے دربار میں ہوتی ہے یا تن پرور مولویوں اور پیروں کی سرکار میں۔

ندوۃ العلماء کے اجلاس جو ۲۵-۲۶-۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء/ ۱۳۴۶ھ کو ایم اے او کالج امرت سر میں منعقد ہوئے تھے۔ مجلس استقبالیہ کے آفس سیکرٹری مولانا محمد سلیمان صاحب تھے۔ اس جلسہ میں شرکت کے لیے نواب صدر یار جنگ صاحب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) بھی تشریف لائے تھے۔ صدر یار جنگ صاحب نے مولانا محمد سلیمان صاحب سے کہا کہ

''میں مولانا نور احمد صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس غرض سے کل صبح بعد نمازِ فجر مسجد شیخ بڈھا میں حاضر ہوں گا۔''

مولانا محمد سلیمان نے مولانا مرحوم کو اطلاع کر دی۔ چنانچہ دوسرے روز آپ بعد نمازِ فجر اپنے حجرے میں تشریف نہ لے گئے بل کہ مسجد کی محراب میں بیٹھے ذکر وفکر میں مشغول رہے جب نواب صدر یار جنگ تشریف لا کر مولانا کے حجرے میں بیٹھ گئے اور مولانا کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر نواب صاحب مرحوم اٹھ کر ملے۔ پھر دیر تک یہ دونوں بزرگ باتیں کرتے رہے اور نواب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحب نے ناشتا بھی نہیں کیا۔

مولانا صاحب کے مزاج شناسوں کا کہنا ہے کہ آپ اُس دن خلافِ معمول اپنے حجرے میں اس لیے نہیں گئے کہ جو مہمان تشریف لا رہے تھے وہ "مولانا" ہونے کے ساتھ "نواب صدر یار جنگ" بھی تھے اور ایسے لوگوں کے لیے تعظیماً کھڑے ہونا آپ کے مزاج کے سخت خلاف تھا۔

حاجی شیخ بڈھا مرحوم کے فرزند جناب شیخ دوست محمد مرحوم سے ایک مرتبہ خلاف شرع کوئی فعل سرزد ہو گیا۔ مولانا کو اس کا علم ہوا تو فوراً لکھ بھیجا کہ اس گناہ سے توبہ کرو، ورنہ آپ کی مسجد سے ابھی نکل جاؤں گا۔

شیخ صاحب موصوف مولانا کا حکم نامہ پڑھتے ہی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے روبرو توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔

بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ مولانا نے یہ رقعہ بھیجنے کے ساتھ ہی اپنا اسباب باندھنا شروع کر دیا تھا۔

حق گوئی کا ایک واقعہ

انجمن اسلامیہ امرتسر ہر سال ماہ ربیع الاول میں مجلس میلاد منعقد کیا کرتی تھی جس میں حضرت مولانا مرحوم شرکت فرماتے اور ذکرِ ولادت نبی ﷺ بیان فرمایا کرتے تھے۔ جن ایام میں مسجد نور زیر تعمیر تھی (یہ مسجد آپ نے بنوائی تھی) تو آپ روزانہ انجمن پارک میں سے گزر کر مسجد نور جایا کرتے تھے ایک دن آپ نے دیکھا کہ انجمن پارک میں کچھ لڑکے ڈھول اور باجے بجانے میں مصروف ہیں (یہ لڑکے اسلامیہ ہائی سکول قائم کردہ انجمن اسلامیہ امرتسر کے بینڈ والے تھے) آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں ایک وہ لڑکا بھی تھا جس کو آپ نے "مدرسہ تجوید القرآن" میں تعلیم دلا کر حافظِ قرآن بنایا تھا۔ آپ نے حافظ طالب علم کو اسی وقت یہ فرما دیا کہ آج ہی بینڈ والوں میں سے اپنا نام کٹوا دے اور اس کے والد کو بھی بلا کر تاکید کر دی کہ لڑکے کو اس گروہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں ہرگز شامل نہ ہونے دے۔

اس واقعہ کے چند ہفتہ بعد آپ حسبِ معمول مجلسِ میلاد میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں شہر کے امراء ورؤسا اور ممبرانِ انجمن سب جمع تھے۔ آپ نے اس مرتبہ نہایت غیظ وغضب کے ساتھ ڈانٹا اور کہا کہ میں نے جس لڑکے کو حافظ قرآن بنایا تھا انجمن اسلامیہ نے جو اسلام کے نام پر چندہ جمع کرتی ہے، اس کو بانسری بجانے پر لگا دیا ہے۔ جس منہ سے وہ خدا کا کلام پڑھتا ہے تم نے اس منہ میں بانسری دے دی ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ آپ نے حاضرین کو نہایت سخت لہجہ میں خطاب کیا اور خدا سے ڈرنے کی تلقین کی۔ پھر یہ کہہ کر چلے آئے کہ آئندہ میں انجمن اسلامیہ کی منعقد کردہ محفلِ میلاد میں ہرگز شریک نہ ہوں گا۔

قریباً اس کے ایک سال بعد آپ کا وصال ہو گیا اور آپ کے بعد آپ کے فرزند دل بند مولانا ابوالبیان محمد داؤد مرحوم ومغفور اس مجلس میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے رہے۔

دعوتِ علماء

ہر نماز جمعہ کے بعد امرت سر کے اکثر علماء مسجد شیخ بڈھا میں مولانا کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے کی غرض سے جمع ہوا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کی اہلیہ محترمہ اکثر ان لوگوں کی ضیافت کے لیے دودھ، باقر خانی اور مٹھائی وغیرہ تیار رکھتی تھیں۔ یہ حضرات رخصت ہونے سے قبل مولانا کے گھر جا کر (جو مسجد سے متصل تھا) یہ ماحضر تناول فرما لیتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حسبِ معمول جماعتِ علماء ضیافت کھا کر فارغ ہوئی تو ان میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن مرحوم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ انہوں نے ابھی ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مولانا نور احمد صاحبؒ نے مولانا محمد حسن صاحبؒ کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی:

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا۔

''ہم تم سے کسی عوض کے خواست گار ہیں نہ شکرگزاری کے طلب گار۔''

اور سب کو رخصت کر دیا۔

اسی ہفتہ واری مجلس میں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی تفسیر فرماتے ہوئے شعر ذیل سنایا:

گلاں سبھو گلویاں تے نام چین دی گل

نام جپیں تو ایسا جہڑا بہے کلیجا مل[1]

ایک بار مکتوباتِ مجدد الف ثانی پر گفتگو ہو رہی تھی تو عبارت ذیل اِنَّهٗ تَعَالٰی وَرَاءَ الْوَرَاءِ کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

اُتے نالوں اُتوں اُتے پریوں پوے پرے[2]

تاثیر الفاظ

ہمارے ممدوح مولانا مرحوم غایت درجہ متقی، پرہیزگار اور مخلص ترین بزرگ تھے۔ ان کے وعظ و نصیحت میں ریا و سمعہ کو ہرگز دخل نہیں ہوتا تھا۔ جو کچھ کہتے تھے اللہ ہی کے لیے کہتے تھے۔ اسی لیے ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ خاص تاثیر رکھتے تھے کیونکہ ''الکلام اذا خرج من القلب وقع علی القلب'' یعنی از دل خیزد بر دل ریزد۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور دوران تقریر فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں بازار میں کھڑا سنگترہ کھا رہا تھا، پیچھے سے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ تشریف لے آئے اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

(۱) اور سب باتیں تو صرف باتیں ہی ہیں، اصل بات اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کا ذکر ہے۔ ذکر کرو تو اسی طرح کرو کہ تمہارے باطن میں خالص ذکر ہی ذکر ہو۔ دوسری طرف دھیان نہ جائے۔ فیض

(۲) بلند سے بلندتر (عقول و افہام کی رسائی سے) آگے، ہر آگے سے آگے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

”مولوی اور سید ہو کر بازار میں کھاتے ہو۔ دوسروں کو کیا نصیحت کرو گے۔“

شاہ جی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور اس دن سے لے کر آج تک میں نے بازار میں کبھی نہیں کھایا۔

پھر شاہ جی فرماتے:

”آہ! آج ایسے مولوی کہاں۔“

میرے دوست حکیم محمد حسین ارشد مرحوم نے مجھ سے ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ میں نے کرم سنگھ پنساری (اس سکھ کو راقم بھی جانتا ہے) سے تین ہزار روپے لینے تھے کہ تقسیم ملک کا ہنگامہ شروع اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا، مسلم اور غیر مسلم کا میل ملاپ محالات میں سے ہو گیا تھا، اندریں حالات کرم سنگھ پنساری کا خط مجھے (حکیم ارشد مرحوم کو) ملا کہ امرت سر کے سٹیشن پر فلاں وقت پہنچو، مجھے آپ سے خاص کام ہے حکیم صاحب کا بیان ہے کہ میں مقررہ وقت پر پہنچا تو کرم سنگھ کھڑا تھا بڑی گرم جوشی سے ملا اور ہاتھ جوڑ کر تین ہزار روپے میرے حوالے کر دیے میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایسے وقت میں اسے رقم ادا کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی۔

آخر میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ اس خطرناک دور میں آپ کو یہ تحریک کیسے ہوئی؟ اس پر بھائی کرم سنگھ نے بتایا کہ مدت گزری میرا بچہ سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اور کسی علاج و تدبیر سے اسے صحت نہ ہوتی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں مجھے کسی نے بتایا کہ مسجد شیخ بڈھا میں مولوی نور احمد صاحب کے پاس اسے لے جاؤ! وہ دم کریں گے تو یہ ضرور شفایاب ہو جائے گا چنانچہ میں بچہ کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دم کیا تین دن میں بچہ بالکل تندرست ہو گیا کرم سنگھ صاحب نے مجھے بتایا کہ جس وقت میں بچے کو لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچا تو وہ کسی شخص کو نصیحت فرما رہے تھے کہ

”کاروبار میں کسی سے دھوکا درست نہیں ہے اور کسی کا مال غصب نہیں کرنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چاہیے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ دونوں جہان کے خسارے میں ہیں۔"

مولانا صاحب کا یہ ارشاد میرے دل میں گھر کر گیا اور میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ کسی کا ناجائز طور پر مال غصب نہ کروں۔ اب چونکہ حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ ایک دوسرے سے ملنے اور کاروباری تعلقات قائم رہنے کی توقع بالکل نہیں رہی اس لیے میں نے آپ کو بلا کر یہ رقم دے دی ہے تاکہ میں اس بار سے سبکدوش ہو جاؤں۔

اللہ اللہ کیسے نیک اور مخلص لوگ تھے کہ ان کی باتوں کا کافروں پر بھی گہرا اثر ہوتا تھا اور آج وہ وقت ہے کہ خود ہمارے ہی علماء کا کردار مسلمانوں کو اسلام واخلاق سے نفور و دور کر رہا ہے الا ما شاء اللہ۔

تاثیر دعا

امرت سر میں کوئی وبا پھیلتی، بارش نہ برستی یا اس قسم کی کوئی اور آفت آتی تو بارگاہ خداوندی سے معاصی کی معافی مانگنے اور رحم و کرم کی درخواست کرنے کے لیے عوام و خواص ایک جگہ جمع ہوتے (عموماً مسجد خیر الدین میں) اور طلب دعا میں مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہی منتخب کرتے آپ اس خشوع و خضوع سے دعا مانگتے کہ اجابت خود استقبال کو بڑھتی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مدت تک بارش نہ ہوئی۔ تمام شہر والے سخت گھبرائے ہوئے تھے گرمی اپنے جوبن پر تھی اس کی شدت کے باعث اموات ہو رہی تھیں۔ اندریں حالات مولانا نے اعلان کرایا کہ عید گاہ میں تمام مسلمان جمع ہو کر دعا کریں تاکہ یہ سختی رفع ہو جائے۔ حسب اعلان بعد نماز ظہر مسلمان جمع ہو گئے تو مولانا نے اپنا سر ننگا کر لیا اور جمیع حاضرین کو ننگے سر ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور اس خشوع و خضوع سے دعا فرمائی کہ تمام کے تمام حاضرین زار و قطار رونے لگے اور آپ خود بھی گریاں تھے۔ ابھی یہ سلسلہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جاری ہی تھا کہ بادل آسمان پر محیط ہو گئے اور اس قدر برسے کہ لوگ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اپنے گھروں میں پہنچے۔

ابھی ابر رحمت برستا ہے آکر
اٹھائیں تو ساغر دعا کرنے والے

عجیب اتفاق:

جنگ عظیم میں جب انگریزوں یونانیوں اور بلقانیوں وغیرہ نے متحد ہو کر سلطنت عثمانیہ کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کا تہیہ کر لیا اور ترکوں کو پے در پے شکستیں دے کر انہیں سمرنا کے آخری حصار میں محصور کر دیا اور یہ خبر نشر کر دی تھی کہ کل ہماری افواج سمرنا میں داخل ہو جائیں گی اس اندوہناک خبر سے مسلمانوں کو بے حد صدمہ پہنچا، اور سب مسلمان اللہ کے حضور دست بدعا تھے کہ ان ظالموں کے پنجے سے ترکوں کو بچائے۔ اس دن مولانا نور احمد نے اعلان کیا کہ سب لوگ مسجد خیر الدین میں جمع ہو کر ترکوں کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ بعد نماز عشاء مسجد خیر الدین عوام وخواص سے کھچا کھچ بھر گئی اور سب نے مولانا ہی کو دعا کے لیے کہا۔ چنانچہ آپ نے اپنے کرتے کہ آستینیں گلے میں ڈال اور ننگے سر ہو کر عربی زبان میں دعا مانگی۔ آپ پر رقت طاری تھی اور تمام حاضرین دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ اردگرد کے در و دیوار بھی رو اور چلا رہے ہیں بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانے اور عرض ومعروض کرنے کا یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا، تا آنکہ ''وکیل'' اخبار امرتسر میں یہ تار پہنچ گیا کہ ابھی ابھی ترکوں نے نہ صرف محاصرہ ہی توڑ دیا ہے بل کہ اتحادیوں کی افواج کو قید بھی کر لیا ہے نیز قسطنطنیہ پر دوبارہ قابض ہو گئے ہیں۔ اس تار کو لے کر ''وکیل'' اخبار کے ایڈیٹر صاحب مسجد خیر الدین میں آئے اور مولانا کے پاس پہنچ کر یہ خوش خبری سنائی۔ تمام لوگ شاداں وفرحاں اپنے گھروں کو لوٹے اور سب کی زبان پر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ تھا کہ مولانا نور احمد واقعی مستجاب الدعوات بزرگ ہیں۔ (۱)

یاں اٹھا ہاتھ وہاں بابِ اجابت وا تھا
عرش سے پھر کے نہ محروم دعائیں آئیں

ترکوں کی کامیابی کا تار ملنے پر شعراء نے نظمیں لکھی تھیں۔ طاہر مرادآبادی نے فوراً ایک طویل نظم چھپوا کر تقسیم کی تھی جس کا ایک مصرع یاد ہے:

ع تار آیا ہے کہ ترکوں نے سمرنا جیتا

خاص بات

حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ "مدرسہ نعمانیہ" میں ایسے لوگوں کو ہرگز ہرگز داخل نہ کرتے تھے جو کام چور ہونے کی وجہ سے گھر سے بھاگ کر آتے اور محض روٹیاں کھانے کے لیے مسجدوں اور مدرسوں میں داخل ہو جاتے تھے اور حق یہ ہے کہ جب سے ایسے لوگ دینی مدارس میں کثرت سے داخل ہو کر "مولوی" اور "مولانا" بن بن کر نکلنے لگے ہیں انہوں نے دین کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ احقر راقم الحروف کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایسے مولویوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

"یہ علماء نہیں بل کہ مسجد کے مینڈھے ہیں۔"

مولانا صاحب کے پاس پڑھنے کے لیے جو بھی آتا، آپ اس کی صلاحیت اور ذوق وشوق کو خوب اچھی طرح جانچ کر مدرسے میں داخل کرتے اگر آپ دیکھتے کہ علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اسے دھتکار نہ دیتے بل کہ بڑے پیار سے کوئی دوسرا کسب وحرفہ سیکھنے کی ہدایت فرماتے اور کچھ دن اپنے پاس رکھ کر اس کی ذہنی تربیت کرتے۔ پھر کسی دکان دار یا کارخانہ دار کے پاس لے جاتے اور فرماتے کہ اسے کام سکھاؤ اور کچھ گذارہ الاؤنس بھی دے دیا کرو۔ تمام شہری دل وجان سے آپ کا احترام کرتے تھے کسی کو مجال انکار نہ تھی۔ فوراً تعمیل ارشاد پر آمادہ ہو جاتے اسی طرح آپ

(۱) اس روایت کے راوی بابو عبدالمجید صاحب پوسٹ ماسٹر ہیں جو اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ منہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے بہت سے لوگوں کی زندگیاں سنوار دیں۔

امرت سر کے ایک خوش حال شخص نے راقم الحروف کو بتایا کہ مَیں بھی گھر سے بھاگ کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کے لیے حاضر ہوا تھا میرے ساتھ بھی مولانا نے وہی سلوک کیا جو مجھ ایسے بھگوڑوں سے کیا کرتے تھے چناں چہ مجھے ایک درزی کے پاس لے گئے اور اسے کہا کہ اسے درزی بناؤ اور اس کی خوراک اور رہائش کا بندوبست بھی تمہیں ہی کرنا ہوگا اس نے بسر وچشم قبول کیا۔ یہ صاحب کہتے تھے کہ واقعی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر خاص احسان فرمایا۔ ورنہ آج میں کسی مسجد میں مؤذن ہوتا اور اس سے زیادہ کچھ نہ بن سکتا کیوں کہ مجھے اپنی استعداد کا یقین ہو چکا ہے کہ میں ہرگز عالم نہ بن سکتا تھا۔

مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن لوگوں کو صنعت وحرفت پر لگاتے تھے انہیں فرما دیا کرتے تھے کہ

"رات کو میرے پاس آجایا کرو، میں تمہیں دین کا ضروری علم سکھا دوں گا۔"

قبلہ والد ماجد کی روایت ہے کہ میرے پاس اکثر ایسے لوگوں کو لاتے اور فرماتے کہ اس کو دواخانہ میں لگاؤ اور طب پڑھاؤ۔ ضروری مسائل دین میں سمجھا دوں گا" چناں چہ بہت سے لوگ کام سیکھ کر عطار (شربت شیرہ فروش) بن گئے اور دو ایک طبیب بھی ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ ایک پٹھان کو اسی غرض سے لائے۔ مَیں نے تعمیل ارشاد کی۔ وہ چند روز بعد بیس روپے چوری کر کے بھاگ گیا۔ مولانا کو کسی طرح اس واقعہ کا علم ہو گیا، تو خود تشریف لائے اور بیس روپے نکال کر مجھے دیئے کہ

"یہ لو آپ کا جو نقصان ہو گیا ہے۔"

میں نے باصرار روپے واپس کیے اور عرض کیا کہ

"اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پھر اس کے بعد کسی آدمی کو والد ماجد مرحوم کے پاس نہ لائے اس خیال سے کہ ایک آدمی نے ان کا نقصان کر دیا تھا۔

اقوال وارشادات

قبلہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ مولانا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے:

''حلوائی سے ادھار کرنے کی بجائے پیٹ سے ادھار کر لیا کرو، اس طرح تمہیں کبھی تقاضا کی شرمندگی نہیں اٹھانا پڑے گی۔''

آپ اکثر یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''رات کو سوتے وقت یہ حساب کر لیا کرو کہ تم نے آج کتنی نیکیاں اور کتنی برائیاں کی ہیں۔''

یہ جملہ کتنا بڑا وعظ ہے۔ محاسبہ اعمال کا کتنا آسان طریقہ ہے۔ اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں اور کیا کرتا ہوں اور پھر یہ بھی بعید نہیں کہ اسے معاصی و معائب سے توبہ کی توفیق بھی مل جائے۔

آپ اپنے بیٹوں کو خاص طور پر یہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں تنگی نہ کیا کرو۔ اگر تم تنگی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی تنگی کریں گے۔''

یہ قول دراصل ایک حدیث شریف کا ترجمہ ہے۔

بارہا اپنے فرزندوں کو یہ نصیحت کی:

''زکوٰۃ پابندی سے ادا کیا کرنا۔ مولوی لوگ نماز پابندی سے پڑھ لیتے ہیں، نوافل ادا کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔''

آپ نے ایک مضمون میں لکھا ہے:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''اہل اللہ کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شرعی طریق سے
بھوکے رہتے ہیں (مثلاً روزہ رکھتے ہیں یا کھانا کم کھاتے ہیں وغیرہ)
اگر ان کو حلال غذا میسر نہیں ہوتی تب تو وہ کئی کئی رات دن بغیر کھائے
گذار دیتے ہیں۔''(۱)

ماہنامہ ''الفیض''

اس مضمون میں ماہنامہ ''الفیض'' کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کی بھی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے۔''الفیض'' مولانا مرحوم ومغفور کے صاحبزادگان مولانا محمد سلیمان ومولانا محمد داؤد نے جاری کیا تھا۔اس قابل قدر علمی ماہنامہ کا پہلا شمارہ جمادی الثانیہ ۱۳۴۲ھ مطابق جنوری ۱۹۲۴ کو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ یہ رسالہ مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی طبع ہوتا تھا اور آپ کے متصوفانہ مضامین بھی اس میں چھپا کرتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۴۷ء تک امرت سر سے شائع ہوتا رہا تقسیم کے بعد مولانا سلیمان نے لاہور سے نکالا، مگر گوناگوں مصروفیات اور مہاجرانہ حالات کے تحت اسے بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔

''الفیض'' میں حضرت مولانا مرحوم کے جتنے مضامین شائع ہوتے تھے وہ سب کے سب یک جا کتابی صورت میں شائع ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہو۔امید ہے کہ مولانا محمد سلیمان اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

مسجد نور

آپ نے اپنی وفات سے قریباً ایک سال قبل ہال دروازہ کے باہر انجمن پارک(۲)

---

(۱) الفیض امرت سر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

(۲) یہ پارک انجمن اسلامیہ امرت سر کی ملکیت تھا۔اب (تقسیم کے بعد) اس میں میوہ منڈی بن گئی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور ہائڈ مارکیٹ کے درمیانی خطے میں مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا تھا جو سال بھر میں آپ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل تیار ہوگئی مسجد کی تکمیل کے فوراً بعد آپ نے مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کو اس کا امام مقرر کیا۔ مسجد نور اب بھی آباد ہے کشمیری لوگ اس میں رہتے ہیں مولانا کا مزار شریف جو مسجد سے ملحق ہے وہ بھی اپنی اصلی حالت میں ہے۔

اردو کے بلند پایہ ادیب، مجموعہ مکاتیب ''ڈال ڈال پات پات'' اور متعدد قابل قدر کتابوں کے مصنف جناب چوہدری پریم ناتھ دت ناصر امرت سری کو راقم الحروف نے لکھا تھا کہ مسجد نور کی موجودہ حالت اور سن تعمیر وغیرہ لکھ کر بھیج دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے موقع دیکھ کر لکھا:

''مسجد آباد ہے، مولانا مرحوم کی قبر محفوظ ہے، خودرو گھاس اگی ہوئی ہے اور بیر کا درخت (بیری) سایہ کیے ہوئے ہے۔ مسجد کے دروازے والے پتھر پر کندہ ہے۔

مسجد نور

بنا کردہ

حضرت مولانا نور احمد صاحب الحاج مفتی امرت سر

نور اللہ مرقدہ الشریف

۱۳۴۸ھ

مسجد کے اندر والے پتھر پر یہ کندہ ہے:

مسجد نور

بنا کردہ

حضرت مولانا نور احمد صاحب الحاج مفتی امرت سر

نور اللہ مرقدہ الشریف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تاریخ بنیاد مسجد نور

۱۳۴۷ھ

اسی پتھر پر سال وفات قد دخل الجنة مولٰنا[1] کندہ ہے

۱۳۴۸ھ

نوٹ: یہ پتھر مولانا کی وفات کے بعد مولانا محمد سلیمان صاحب متولی مسجد ہذا نے نصب کرائے تھے۔

حضرت سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسجد نور کے لیے چندہ

جن دنوں ''مسجد نور'' زیر تعمیر تھی' حضرت مولانا سید محمد انور شاہ مرحوم و مغفور سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند، امرت سر تشریف لائے تھے۔ مولانا مفتی نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر تعمیر مسجد دکھانے کے لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد دیکھ کر کچھ روپے نکال کر مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیئے اور کہا کہ

''ان کی صرف اینٹیں منگوا کر مسجد میں لگوا دی جائیں۔''

پھر فرمایا:

''حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کی مساجد کو اٹھا کر جنت میں پہنچا دیں گے۔''

نیز یہ بھی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جب ہماری چیز کو جنت میں لے جائیں

(۱) اس مادہ تاریخ کے عدد ۱۳۴۹ھ ہوتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ مولانا کا سال وفات ۱۳۴۸ھ ہے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ گو (حضرت مولانا آسی) سے غلطی ہوگئی ہے یا انہوں نے تخرجہ کر کے اس مادہ کو منظوم کیا ہوگا مگر پتھر پر کندہ کرنے والے محترم نے قطعہ تاریخ سے صرف مادہ کو لے لیا اور تخرجہ کے نکتہ کو نہ سمجھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گے تو پھر ہو سکتا ہے کہ ہم بھی وہاں پہنچ جائیں۔"

تردید قادیانیت

مولانا مرحوم و مغفور قادیانیوں کو قطعاً مسلمان نہیں سمجھتے تھے اور اس فتنے کا استیصال از حد ضروری جانتے تھے۔ چناں چہ آپ اس کی تردید و مخالفت میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس موضوع پر جو علماء اچھا لکھ سکتے تھے، ان سے ہر طرح تعاون فرماتے۔ قادیان میں مسلمانوں کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت فرماتے رہے۔ قادیان میں مسلمانوں کے جلسے کی بنا بھی آپ ہی کے ایک عقیدت مند جناب عبدالمجید صاحب پوسٹ ماسٹر نے ڈالی تھی۔ موصوف لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا کی تشریف آوری امرت سر کے بعد میرا تبادلہ قادیان ہو گیا۔ اور میں نے دورانِ قیامِ قادیان "انجمن اسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ اور وہاں اسلامی جلسے کا پروگرام مرتب کیا۔ علماء کو دعوت نامے اور آمد و رفت کا کرایہ ارسال کیا۔ حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خود حاضر ہوا اور کرایہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

"میرے عزیز! الحمد للہ، میں صاحب نصاب ہوں مجھے کرائے کی ضرورت نہیں میں قادیان ضرور آؤں گا ممکن ہے کہ میرے وعظ سے کسی کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے باعث میری نجات ہو جائے۔"

چناں چہ آپ کے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ چند لوگوں نے آپ کی تقریر سن کر جلسہ گاہ میں اعلان توبہ کیا۔"

اولاد

امرت سر تشریف لانے کے بعد آپ نے ظفر وال ضلع سیال کوٹ کے ایک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معزز اور دین دار گھرانے میں شادی کی۔ اور آپ کے ہاں سات اولادیں ہوئیں۔

سب سے بڑے صاحب زادے کا نام مولوی محمد یحیٰ تھا جو اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

دوسرے صاحب زادے مولانا مولوی ابو الفیض محمد سلیمان صاحب بی اے ہیں۔ آپ لاہور میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے پارۂ اول کے مفسر بھی ہیں۔ اس وقت آپ کے عمر قریباً ساٹھ برس کی ہوگی۔ (سلمہ اللہ تعالیٰ)

تیسرے فرزند حضرت مولانا مولوی ابو البیان محمد داؤد صاحب فاروقی مرحوم و مغفور خطیب مسجد شیخ بڈھا تھے۔ مولانا محمد داؤد صاحب بے نظیر مقرر اور بے مثل واعظ ہونے کے علاوہ کتب کثیرہ کے مؤلف مصنف بھی تھے۔ راقم الحروف نے انہیں بہت ہی قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ سال ہا سال محلے داری کے علاوہ ہمسائیگی بھی رہی نیز مسجد شیخ بڈھا میں تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ بالکل فقیر منش اور درویش دوست انسان تھے۔ افسوس کہ آپ عین عالم شباب میں ۱۹۴۲ء میں انتقال کر گئے۔ بہ وقت رحلت آپ کی عمر تقریباً ۳۴ برس ہوگی، نور اللہ مرقدہ۔

چوتھے بیٹے کا نام محمد زکریا تھا جو تین سال کی عمر میں فوت ہوا۔

ان کے علاوہ تین لڑکیاں پیدا ہوئیں سب سے بڑی صاحبزادی امرت سر میں ہی فوت ہو گئی تھیں، اور دو چھوٹی صاحب زادیاں عیال دار ہیں۔ سَلَّمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی

وفات کی پیش گوئی

آپ کی وفات قریباً اسی برس کی عمر میں ہوئی اور وقت رحلت آپ بالکل صحت مند تھے کسی قسم کی کوئی جسمانی تکلیف بالکل نہیں تھی۔ سفر آخرت اختیار کرنے سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تقریباً ایک ہفتہ قبل مسجد شیخ بڈھا مرحوم کے بڑے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ وہیں اپنے دونوں صاحب زادوں (مولانا محمد سلیمان و مولانا محمد داؤد) کو اپنے پاس بلایا اور فرمانے لگے:

”اب میرا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ بات کسی وقت اچانک ہو جائے گی، غفلت میں نہ رہنا۔“

یہ سن کر دونوں صاحب زادوں نے عرض کیا کہ

”اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اگر ایسا ہوا تو ہمارے لیے قیامت آ جائے گی“۔

آپ نے پھر فرمایا:

”بے فکر نہ رہو، اب یہ بات ہونے ہی والی ہے“۔

اور فرمایا:

”لوگ اپنے مُردوں کے استعمال کردہ کپڑوں سے ڈرا کرتے ہیں تم ایسا نہ کرنا میرے بستر اور کپڑوں کو اپنے استعمال میں لانا۔“

اس کے چند دن بعد مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور انہیں ہدایت کی:

”میری وفات عنقریب ہونے والی ہے میری نماز جنازہ تم ہی نے پڑھانی ہوگی۔“

پھر مفتی محمد حسن صاحب کو نماز جنازہ کے وقت پڑھنے کے لیے خاص دعائیں بتائیں۔

غالباً اس کے ایک دو روز بعد جامع مسجد خیر الدین مرحوم کے مؤذن میاں خان جو انجمن نعمانیہ امرت سر کے محصل چندہ بھی تھے، کو بلا کر کہا کہ تم مجھے اس طریق پر غسل دینا اور فرمایا:

”غسال لوگ مُردوں کے ہاتھ اور بازو مروڑ مروڑ کر کپڑے اتارا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے ہیں میرے ساتھ ہرگز ایسا نہ کرنا۔"

چناں چہ مولانا کی وفات حسرت آیات کے بعد آستینیں کاٹ کر ان کا کرتہ اتارا گیا۔

جب وفات کی رات آئی تو نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد کے حجرے میں تشریف فرما ہو گئے۔ اور اپنے شاگرد حاجی محمد دین کو بلایا، جو اسی سال حج کر کے آئے تھے اور مولانا کے حجرے ہی میں ان کا قیام تھا ان حاجی صاحب کو آپ نے اپنے چائے پینے کا سامان (برتن، چولہا وغیرہ) دے دیا۔ اس کے بعد اٹھ کر مسجد کی سیڑھیوں کی طرف آتے جاتے رہے جیسے کسی کے انتظار میں ہیں اتنے میں مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادے محمد سلیمان آ گئے اور آپ انہیں ساتھ لے کر حجرے میں چلے گئے اور طاق سے ایک پیکٹ اٹھا کر نیچے فرش پر رکھا۔ اسمیں کیک کے ٹکڑے تھے۔ آدھے محمد سلیمان کو دے دیئے اور فرمایا کہ آدھے محمد داؤد کے لیے ہیں (مولوی محمد داؤد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت امرت سر میں موجود نہ تھے) اس کے بعد ایک طالب علم کو بلایا جس کا نام محمد دین تھا۔ اس کو مسجد کی دکانوں کے کرائے کا رجسٹر اور نقد دس روپے دے کر فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد یہ روپے اور رجسٹر متولیان مسجد شیخ بڈھا کے منشی شیخ محمد شریف کو دے دینا اور کہہ دینا کہ مسجد کی دکانوں کے موصولہ کرایوں میں سے میرے پاس جو رقم باقی تھی وہ یہ ہے۔

اسی دوران میں مسجد کی سیڑھیوں میں نگاہ کیے کسی کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ مولانا محمد داؤد صاحب پسرور سے آ گئے۔ آپ انہی کا انتظار کر رہے تھے مولانا محمد داؤد صاحب پر مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا:

"محمد داؤد بہت اچھا کیا کہ آ گئے، میں تمہارے انتظار میں تھا"۔

اس کے بعد ان کو حجرے میں لے گئے اور بقیہ کیک کے ٹکڑے دے کر گھر جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ "میں بھی ابھی آتا ہوں۔"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا محمد داؤد صاحب نے کیک حاصل کرنے کے بعد مسجد سے باہر کنویں کے پاس آکر بڑے بھائی مولانا محمد سلیمان صاحب سے کہا کہ میں نے ابھی پسرور میں کئی دن رہنا تھا مگر کل رات خواب دیکھا کہ والد صاحب وفات پا رہے ہیں اس لیے گھبرا کر آ گیا ہوں۔

جس وقت مولانا نے یہ عجیب وغریب اور خلاف عادت باتیں شروع کیں گھر میں مولانا محمد سلیمان نے ایک کمرے کے دو حصے کرنے کا پروگرام بنایا۔ چناں چہ یہ حسب ارادہ گھر جا کر لکڑی کے تختے جوڑنے میں مصروف ہو گئے مولانا صاحب بھی جا کر ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے۔ مولانا محمد سلیمان گھر کی بیٹھک کے اس حصے کو علیحدہ کرنا چاہتے تھے، جس حصے میں نلکا لگا ہوا تھا، تاکہ یہ حصہ غسل خانے کی شکل اختیار کر لے۔ حضرت مولانا مرحوم پاس بیٹھے یہ کام دیکھتے رہے۔ تختے لگاتے لگاتے جب دو تین فٹ جگہ باقی رہ گئی تو مولانا ؒ نے فرمایا:

''اس ٹکٹ گھر کو بند نہ کرو صبح کام آئے گا''۔

پھر فرمایا کہ

''اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ محمد سلیمان کو گھر سنبھالنے کا ڈھنگ آ گیا ہے۔''

مولوی محمد سلیمان صاحب نے حسب ارشاد کام بند کر دیا۔ مگر یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ ٹکٹ گھر صبح کس کام آئے گا۔

سفر آخرت

آپ کا یہ معمول تھا کہ ہمیشہ رات کے دو بجے اٹھ کھڑے ہوتے۔ مکان کے کمرے میں یا کوٹھے پر ٹہل کر قرآنی آیات اور دعائیں پڑھتے رہتے۔ اور پھر قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نماز تہجد میں مشغول ہو جاتے چناں چہ حسب دستور وفات کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رات بھی نماز تہجد کے لیے اٹھے۔ سردی کے ایام تھے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد موزے پہنے۔ یہ معلوم نہیں کہ ابھی نماز تہجد ادا کر چکے تھے یا نہیں۔ آپ نے ساتھ والے کمرے میں جہاں سب گھر والے سوئے ہوئے تھے اپنی اہلیہ محترمہ کو آواز دی۔ یک بیک سب حیران و پریشان ہو کر اٹھے اور بیٹھک میں آئے دیکھا تو مولانا صاحب چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور سانس تیزی سے چل رہا ہے آپ نے گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''اب میرے رخصت ہونے کا وقت ہے''۔

مولانا محمد سلیمان صاحب اسی وقت خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ مرحوم سول سرجن کو لینے گئے، جو نزدیک ہی رہتے تھے ڈاکٹر صاحب مولانا کو دیکھنے کے لیے مولانا محمد سلیمان کے ساتھ آ گئے، اور ادھر ڈاکٹر حاجی اشفاق محمد صاحب کو بھی بلا لیا گیا۔ ڈاکٹر میر ہدایت اللہ مرحوم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی مولانا کو سلام عرض کیا۔ اور معائنہ کرنے کے بعد کھلانے کے لیے دوا نکالی اور انجکشن کا سامان تیار کیا۔ مولانا نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''ڈاکٹر صاحب، یہ سکرات موت ہیں، ان کا کوئی علاج نہیں''۔

مولانا صاحب اس وقت بڑے اطمینان سے وہ دعائیں پڑھ رہے تھے جو دم واپسیں پڑھنی چاہئیں۔ گو سانس تیزی اور آواز سے چل رہا تھا۔

ڈاکٹر میر ہدایت اللہ مرحوم نے آپ کو اس وقت مخاطب کر کے کہا کہ ان شاء اللہ آپ کو آرام آ جائے گا اس پر آپ نے لیٹے لیٹے اپنے دونوں ہاتھ ڈاکٹر صاحب کی جانب بڑھائے اور انہیں مصافحہ کرنے کو کہا۔ مصافحہ کرنے کے بعد انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ جائیں، یہ سکرات موت ہیں۔ میرے لیے دعائے خیر کرتے رہنا''

ڈاکٹر صاحب پر مولانا کے ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ جب تک زندہ رہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا کے مزار پر پہنچ کر فاتحہ پڑھتے رہے۔

اسی آخری رات آپ نے اپنے فرزندوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مجھے دفن کر کے جلدی سے واپس نہ چلے جانا۔ کچھ دیر تک میری قبر کے پاس ٹھہرنا تاکہ مجھے قبر سے انس پیدا ہو جائے۔''

چناں چہ اس ارشاد کے مطابق مولانا کے صاحب زادے دیر تک قبر کے قریب بیٹھ کر قرآن خوانی کرتے رہے۔

اس کے بعد پھر اپنے بیٹوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''صلوٰۃ......زکوٰۃ......بناۃ''

یعنی نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ہمشیرگان سے نیک سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔

ان الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ آخری دم تک مطمئن اور باہوش تھے۔ اس کے چند منٹ بعد دعائیں پڑھتے پڑھتے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد انا الیہ راجعون

۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے چند ساعت قبل شریعت وطریقت کا یہ بدر کامل مستور ہوا۔

مولانا کو بیٹھک کے اسی حصے میں غسل دیا گیا جو تختے لگا کر علیحدہ کیا گیا تھا اور جو تختہ لگنے سے رہ گیا تھا، جسے آپ نے ''ٹکٹ گھر'' فرمایا تھا، وہ غسل کا سامان وغیرہ منتقل کرنے کے کام آیا کیوں کہ غسل کا تختہ بچھانے کے بعد دروازہ رک گیا تھا اور اسی ''ٹکٹ گھر'' سے سامان دیا جاتا رہا۔ اگر یہ حصہ رات ہی بند کر دیا جاتا تو صبح غسل دیتے وقت ذرا دقت پیش آتی۔

غسل کے بعد آپ کو کفن پہنا کر چارپائی پر لٹایا گیا تو جسم بالکل زندگی کی طرح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تروتازہ، نرم وگداز تھا ان پر موت کے ورود کا یقین ہی نہیں ہوتا تھا۔ چہرہ سرخ وسفید اور بھرپور تھا۔ چارپائی پر پڑے ہوئے ایسے نظر آرہے تھے جیسے سوئے ہوئے ہیں۔ جس کو یہ پتا نہ ہو کہ آپ وفات پاچکے ہیں ہرگز ہرگز نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ میت پڑی ہے۔

نماز جنازہ

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خبر وصال آناً فاناً شہر میں پھیل گئی اور امرت سر کے سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر بند رہنے کا اعلان ہوگیا۔ قریباً تیس ہزار افراد شریک جنازہ ہوئے۔ انجمن پارک میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور حسب وصیت حضرت مولانا مفتی محمد حسن مرحوم نے فرائض امامت ادا کیے۔

آخری آرام گاہ

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی بنا کردہ مسجد نور کے ساتھ ایک تکیہ تھا، جس کی ایک دیوار مسجد سے ملی ہوئی تھی اس تکیہ کے مالک سے سید بڈھے شاہ مجسٹریٹ کے توسط سے قبر کے لیے زمین بعوض یک صد روپیہ خریدی گئی۔ اور یہاں قبر تیار کر کے آپ کے جسد اطہر کو دفنایا گیا۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَہٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَہٗ۔

حضرت مولانا مرحوم ومغفور کی مرقد منور ابھی تک محفوظ ہے۔ آپ کے دائیں پہلو میں آپ کے فرزند ارشد حضرت مولانا ابوالبیان محمد داؤد مرحوم ۱۹۴۲ء میں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ ان کے بعد (غالباً ۱۹۴۴ء میں) حضرت مولانا نور احمد علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ نے وفات پائی تو انہیں حضرت مولانا مرحوم کے بائیں پہلو میں دفن کیا گیا۔

ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

قطعات تاریخ

حضرت مولانا حکیم محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا مرحوم ومغفور کے پیر بھائی تھے انہوں نے فصیح وبلیغ عربی میں آپ کا قطعہ تاریخ لکھا۔ اور ایک تاریخ اردو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں بھی کہی تھی افسوس کہ یہ نوادر تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکے عربی قطعہ تاریخ کا مادہ (غالبًا) 'قدد خل الجنته مولٰنا'' تھا۔اس مادے سے ۱۳۴۹ھ برآمد ہوتے ہیں، اس لیے خیال ہے کہ ایک کا تخرجہ کیا ہوگا حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قطعہ اردو میں موزوں کیا تھا اس کا مصرعہ تاریخ یہ ہے:

ع ''فیضِ رسانِ عالم آہ'' (۱۳۴۸ھ)

حضرت مولانا مولوی سید شرافت نوشاہی مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ حضرت نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہ نے جناب مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر جو قطعہ موزوں کیا تھا راقم الحروف کے طلب کرنے پر انہوں نے تحریر فرما کر بھیجا ہے۔وھو ھذا:

حضرت مولوی نور احمد ۔ عالم باعمل،فقیہ حمید

زائر کعبہ، حاجی الحرمین ۔ فاضل وقت شاہباز وحید

درعلوم شریعت و عرفاں ۔ مثل ذاتش کسے ندید و شنید

بانی درس گاہ نعمانی(۱) ۔ درجہاں فیض علم اوست مزید

نائب ذاتِ شہ ابوالخیر(۲) است ۔ قائدِ نقشبندیانِ مجید

رخت بستہ چوزیں سرائے فنا ۔ روح والائے او بہ خلد رسید

سال ترحیل او اگر خواہی!

از شرافت شنو ''چراغِ سعید''

۱۳۴۸ھ

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ مشہور خوش نویس اور صوفی جناب سید نفیس الحسینی صاحب نفیس رقم تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ

(۱) مدرسہ نعمانیہ امرتسر

(۲) حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"عارف کامل حضرت مولانا سید شاہ عبدالکریم نقشبندی قدس سرہ[1]
نے بھی حضرت مولانا نور احمد نوراللہ مرقدہٗ کی تاریخ وفات کہی تھی جو
ان کی بیاض میں درج ہے۔ یہ تاریخ میں لکھ کر بھیجوں گا جو شامل
مضمون کردی جائے۔"

جناب سید نفیس صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہ قطعہ درج ذیل ہے:

برزباں این است از قلب حزیں	آہ رفت آں حافظ شرع متیں
غلغلہ افتاد ورقدسیاں	"نورِ احمدؒ منتقل شد از زمیں"

۱۳ ھ ۴۸

احقر راقم الحروف نے بھی آج (۶۳-۱-۱۵ کو) بہ وقت تکمیل مضمون چار تاریخی مادے نکالے ہیں، جو ذیل میں درج کرتا ہوں:

عاشق ذوالمنن	نور احمدؒ مخفی شدہ	حاجی مغفور	مغفور ایزد
۱۳۴۸ھ	۱۳۴۸ھ	۱۳۴۸ھ	۱۳۴۸ھ

(۱) حضرت مولانا شاہ عبدالکریم بن سید کرم شاہ رحمہما اللہ، موضع "الھر" نزد پسرور ضلع سیال کوٹ کے رہنے والے تھے، پاک و ہند کے مشہور بزرگ خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی گیسو دراز گل برگوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ محمد شاہی دور میں ۱۱۳۴ھ میں دکن سے پنجاب تشریف لائے اور "الھر" میں فروکش ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ صلاح و تقویٰ میں سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے، طریقت میں پنجاب کے مشہور درویش بزرگ صوفی پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف خلافت و اجازت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت والفت کا رشتہ تھا۔ آپ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کے برادر خورد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نے آپ کی لاجواب تاریخ وفات لکھی:

"عاش حمیدًا وسعیدًا ومات شہیدًا"

۱۳۵۲ھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ختم کلمہ طیبہ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے کچھ عرصہ قبل سوالاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد خود ہی کرلیا تھا فرماتے تھے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں۔

آپ کے انتقال پر ملال کے دوسرے ہی دن بغرض ایصال ثواب مسجد حاجی شیخ بڈھا مرحوم میں سوالاکھ کلمہ طیبہ اور سوالاکھ آیت کریمہ کا ختم کیا گیا۔علاوہ ازیں آپ کے معتقدوں نے بے شمار قرآن کریم پڑھ کر آپ کی روح کو ثواب پہنچایا۔

مزید معلومات

مضمون کو ختم کر چکا تھا کہ معلوم ہوا کہ حضرت الحاج مفتی نور احمد نور اللہ مرقدہٗ کبھی کبھی حضرت لاثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علی پور بھی جایا کرتے تھے حضرت لاثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ سید چراغ شاہ صاحب نے اپنے مرشد کی سوانح حیات بنام ''تنویر لاثانی'' شائع کی ہے۔اس میں لکھا ہے:

> ''مولانا مولوی نور احمد صاحب امرت سری جو شیخ بڈھا مرحوم کی مسجد میں خطیب تھے، بڑے فاضل بے بدل اور تقویٰ شعار تھے بہت مدت بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں رہے،اور وہاں دینی تعلیم دینے پر فائز المرام تھے۔آپ حضور قبلہ عالم کے مخلص تھے۔مکتوبات شریف امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تصحیح کر کے شائع کیے۔اللہ تعالیٰ آپ کی سعی قبول فرمائے آپ بڑی خدمت ، اسلام اور اہل اسلام بالخصوص صوفی مشرب حضرات کی بجا لائے۔ جب آپ حضور (لاثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں آتے تو ان سے مسائل دین دریافت کرتے تاکہ حاضرین مجلس دینی مسائل سے آگاہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوں۔"[1] (بتغیر قلیل)

حکیم خدا بخش صاحب لاہوری جو حضرت لاثانی علیہ الرحمۃ کے مخلص ترین مرید ہیں، انہوں نے بتایا ہے کہ حضرت لاثانی صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بہت گہرے مراسم تھے۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اور آپ اپنے مریدوں کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کرو۔

حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لاہور کے چند احباب کے ساتھ میں امرت سر مسجد شیخ بڈھا میں گیا، اور پروگرام کے مطابق علی پور سے حضرت صاحب تشریف لائے۔ پھر ہم سب مولانا کی رفاقت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر سرہند شریف گئے، اور اکٹھے ہی واپس آئے۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد حضرت پیر لاثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرت سر کبھی تشریف نہیں لائے۔ لوگوں کے استفسار پر بتایا کہ "میں تو صرف مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے امرت سر جاتا تھا۔"

ایک تصحیح

"تطییب الاخوان بذکر علمائے زمان" ملقب بہ "تذکرۂ علمائے حال"[2] مصنفہ مولوی محمد احسن وحشی نگرامی میں مولانا نور احمد نور اللہ مرقدہ کے متعلق لکھا ہے:

"آپ پسرور ضلع سیالکوٹ ملک پنجاب کے رہنے والے اور بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج ہیں، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ

---

(۱) تنویر لاثانی، صفحہ ۴۴

(۲) یہ دونوں کتابیں صاحب مضمون کو تکمیل مضمون کے بعد حاصل ہوئیں، اس لیے ان کے یہ اقتباس آخری قسط میں شامل کرنے پڑے پہلے سے سامنے ہوتیں تو مضمون کی ترتیب مختلف ہوتی۔ (ادارہ "فیض الاسلام" راولپنڈی)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحب سے بیعت ہیں، طریقہ تعلیم آپ کا بہت اچھا ہے۔ بالفعل مدرسہ اسلامیہ سلون ضلع رائے بریلی میں اول مدرس ہیں، سلمہ اللہ تعالیٰ۔" (صفحہ ۹۵)

اس کے حاشیے پر لکھا ہے:

"مستعفی ہو کر اپنے وطن کو چلے گئے۔"

کتاب "تطییب الاخوان" ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں تصنیف ہوئی اور ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصنیف کتاب کے وقت مولانا "سلون" میں تھے اور طبع کتاب کے وقت مستعفی ہو کر امرت سر تشریف لا چکے تھے۔ اس مستند حوالے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ مولانا "ویلور" (مدراس) سے نہیں، بل کہ "سلون" (رائے بریلی) سے امرت سر تشریف لائے تھے۔ اور مدرسہ باقیات الصالحات "ویلور" میں "سلون" آنے سے پہلے متعین تھے۔ لہٰذا قرین قیاس ہے کہ حاجی شیخ بڈھا مرحوم کے کارندے مولانا کو "سلون" میں ملے ہوں گے، اور یہیں آپ کو امرت سر آنے کی دعوت پہنچی ہوگی۔ اس کتاب کے مطالعے سے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۹۷ء میں امرت تشریف لائے تھے۔ اس لیے "ویلور" سے امرت سر آنے کی روایت تصحیح طلب ہے۔

شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ

حضرت شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر دہلوی رحمہ اللہ کی سوانح عمری دیکھنے کا موقع ملا، اس میں لکھا ہے کہ

"حضرت موصوف کی صاحب زادی صاحبہ کی شادی کی تقریب پر اکثر علماء، صلحا اور معزز خدام شریک مجلس ہوئے جن میں خاص طور پر جناب حضرت مولوی محمد عمر صاحب اخوند جی مرحوم جناب مولوی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی، جناب مولوی نور احمد صاحب امرت سری، جناب حضرت مولوی محمد شاہ صاحب قصوری، جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب اور جناب ڈاکٹر اشفاق محمد صاحب قابل ذکر ہیں۔''

اس کے بعد لکھا ہے:

''اس موقع پر حضور نے دائرہ (ایک قسم کا باجا) پر بغیر ساز کے قوالی سنی تھی جب قوالی ہو رہی تھی تو جناب حضرت مولوی سید محمد شاہ صاحب قصوری نے اپنے ایک دوست سے فرمایا کہ آج حضرت پر نسبت چشتیہ کا غلبہ ہے اور جناب مولوی نور احمد صاحب امرت سری (جنہوں نے مکتوبات شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مقامات کے سمجھنے میں حضور انور سے مدد بھی لی ہے) نے دل میں کچھ برا مانا اور اس فعل کو شاید خلاف شریعت اور خلاف مصلحت سمجھا۔ لہٰذا خاموش علیحدہ بیٹھے رہے اور منہ سے کچھ نہ کہا جب حضور پر ان کی یہ حالت منکشف ہوئی تو مولوی صاحب موصوف (نور احمد) کو پاس بلایا، اور آپ کے دل پر کچھ ایسی توجہ فرمائی کہ فوراً ہی مولوی صاحب موصوف سماع میں مشغول ہو گئے اور آپ پر اسی وقت رقت کی خاص کیفیت طاری ہو گئی اس وقت حضرت نے فرمایا کہ ''اس وقت اللہ کا فضل و کرم اور مہربانی اس قدر زیادہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ باشد، مسلماں گردد، مگر ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد۔'' (ص ۱۸۷)

ایک بزرگ کا خط

خانقاہ مجددیہ نقشبندیہ ٹنڈو سائیڈ وڈاک خانہ ٹنڈو محمد خان کے سجادہ نشین حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا پیر شاہ آغا صاحب مدظلہ، نقشبندی مجددی جو معمر بزرگ ہیں، ان کو راقم الحروف نے مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھنے کے ارادے کی اطلاع دی تو آپ نے جواب سے سرفراز فرماتے ہوئے مرحوم و مغفور مولانا کے متعلق تحریر فرمایا کہ

''مولانا مولوی نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ بہت مبارک ہے۔ فی الحقیقت مولانا مرحوم کا وجود مسعود اس زمانہ میں صحیح طور پر نمونہ سلف صالحین تھا۔ ان کے اخلاق واطوار، افعال واقوال، شکل وصورت وسیرت مطابق سنت نبوی تھے۔ ہمارے تعلقات مولانا سے بہت مخلصانہ و محبانہ تھے۔ ہم لوگوں کا تو امرت سر میں جب جانا ہوتا تھا تو مولانا مرحوم کے پاس ہی ٹھہرتے تھے۔ ان کی عنایات اور نیک اخلاق قابل فراموش نہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں او سبحانہ تعالیٰ آپ کو اس نیک ارادہ میں کام یاب فرمائے۔''

راقم الحروف نے کئی سال کی محنت، تلاش اور جست وجو کے بعد یہ مضمون ترتیب دیا ہے اور ثقہ روایات و ذاتی معلومات کو بلاکم و کاست پیش کر دیا ہے، تاکہ حضرت ممدوح کی مثالی اور پاکیزہ زندگی کا صحیح صحیح نقشہ قارئین کرام کے سامنے آجائے۔ اس مضمون میں جو خوبیاں ہیں وہ بزرگوں کی دعاؤں اور صاحب تذکرہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی توجہ کا اثر ہے۔ اور جہاں جہاں زبان و بیان کی غلطی ہوئی ہو یا مفہوم ادا نہ ہو سکا ہو تو اسے احقر کی کم علمی پر محمول کیا جائے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بزرگ کے حالات زندگی لکھنے اور پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے نیز تمام بزرگوں کی محبت و متابعت نصیب کرے اور انہی کے ساتھ محشور فرمائے آمین!

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ   لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا[1]

(۱) یہ عاجزانہ شعر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور خود ان میں سے نہیں ہوں۔ شاید (ان کی محبت کے طفیل) اللہ تعالیٰ مجھے بھی کچھ نہ کچھ نیکی کی توفیق بخش دیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ ''فیض''

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شکریہ

جناب محترم عبدالمجید صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر مقیم حال کوئٹہ، محترم الحاج حکیم محمد علی صاحب امرت سری مقیم حال گوجرانوالہ اور جناب شیخ عبدالرحیم صاحب رئیس امرت سر (نبیرۂ حاجی شیخ بڈھا مرحوم بانی مسجد شیخ بڈھا امرت سر) حال مقیم جڑانوالہ کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ ان حضرات سے حضرت مولانا مرحوم کے نہایت قیمتی حالات میسر آئے۔ مولانا محمد سلیمان صاحب فرزند صاحب تذکرہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، اگرچہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ دیا ہے وہ میں نے زبردستی وصول کیا ہے۔

(ماہنامہ فیض القرآن، راولپنڈی مارچ، اپریل، مئی، جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر 1963ء، جنوری 1964ء)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت سید برکت علی امرت سری

حضرت سید برکت علیؒ شاہ جس مرتبے اور مقام کے عارف، جس درجے کے بااخلاق بزرگ، جس شان کے مخلص اور اہلِ درد انسان تھے، اس کی نسبت سے ان کے فضائل وکمالات اور ان کی اعلیٰ وارفع زندگی اور بہترین و بےنظیر مثالی کارناموں کو بیان کرنے کے لیے ایک مبسوط ومفصل کتاب کی ضرورت ہے۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

تعارف خاندان

حضرت شیخ سید محمد (۱) غوث حلبی جیلانی قدس سرہ العزیز کو پاک و ہند میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا مبلغ اول تسلیم کیا جاتا ہے آپ رمضان المبارک ۸۷ھ میں حلب سے اُوچ پہنچے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین اور ولی کامل تھے بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۹۲۳ھ میں ہوا مزار مقدس ''اوچ گیلانیاں'' (۲) میں مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت شیخ سید محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ اوچی دسویں پشت میں حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں ان کے چار صاحب زادے تھے:

(۱) آپ کا اسمِ گرامی ''محمد'' تھا۔ غوثِ وقت ہونے کے باعث آپ کے نام کے ساتھ غوث لکھا جاتا تھا۔

(۲) اوچ کے جس حصے میں ''بخاری'' بزرگوں کے مزارات ہیں اُسے اوچ بخاریاں کہتے ہیں۔ اور جس جانب گیلانی حضرات محوِ خوابِ ابدی ہیں، اُسے ''اُوچ گیلانیاں'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

① سید عبدالقادر ثانی ② سید عبداللہ ربانی

③ سید مبارک حقانی ④ سید محمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سید محمد کے فرزند ثالث حضرت سید مبارک (۱) حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سید میراں شمس الدین اوچ سے نقل مکانی کر کے لاہور پہنچے اور یہاں سے خلچیاں (ضلع امرت سر مشرقی پنجاب) میں جا کر مقیم ہو گئے آپ کی اولاد کے پاس جو قلمی یادداشتیں محفوظ ہیں ان کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت میراں سید شمس الدین قدس سرہ جہانگیر بادشاہ کے ابتدائی دور حکومت میں خلچیاں آئے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا تھا اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ قریباً ۱۰۱۶ھ/ ۱۶۰۷ء میں خلچیاں پہنچے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

میراں سید شمس الدین (۲) کے چھوٹے صاحب زادے کا اسم گرامی میراں علی محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ چند سال بعد موضع تلواڑہ (۳) میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے اور میراں سید علی محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلچیاں ہی میں سکونت رکھی آپ کا مزار پر انوار بھی یہیں ہے جو 1947ء تک زیارت گاہ عوام وخواص رہا آپ کی کرامات کا دور دور تک شہرہ تھا۔ آپ کا سالانہ عرس ہمیشہ ساون کی پہلی جمعرات کو بڑی شان وشوکت سے شروع ہوتا اور آٹھویں دن یعنی دوسری جمعرات کو اختتام پاتا اس عرس میں شرکت کے لیے

(۱) حضرت سید مبارک حقانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور آئے ہوئے تھے کہ آخری وقت آ پہنچا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نعش مبارک کو لاہور سے "اوچ" لے جا کر دفن کیا گیا۔ آپ کا سال وصال ۹۵۶ھ ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء، مفتی غلام سرور، مطبوعہ نولکشور، صفحہ ۸)

(۲) حضرت میراں شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزند تھے بڑے بیٹے کا نام ولی محمد شاہ تھا جو لاولد فوت ہو گئے دوسرے فرزند حضرت میراں علی محمد شاہ تھے جن کے چار فرزند تھے سید سیف الدین عرف میراں شاہ جی، سید عالم شاہ، سید محمد شاہ، سید شاہ مقیم (رحمہم اللہ) حضرت سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت میراں سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

(۳) یہ گاؤں خلچیاں سے چند میل کے فاصلے پر برلب دریائے بیاس واقع ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قرب و جوار کے لوگوں کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی عقیدت مند آتے تھے ملک تقسیم ہو جانے کے ساتھ ہی یہ تمام باتیں کلیۃً ختم ہوگئیں مگر مزار مبارک اور اس کا احاطہ ابھی تک محفوظ ہے اور اب اس علاقہ کے غیر مسلم، خدا کے اس ولی کے مرقد کا احترام بھی کرنے لگے ہیں۔

حضرت میراں سید علی محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد و احفاد ''خلجیاں'' میں تقسیم پاک و ہند تک آباد تھی۔ تقسیم کے بعد یہ لوگ پاکستان چلے آئے اور مختلف مقامات میں آباد ہو کر یکجہتی اور مجتمع قبیلے میں جو برکت و عظمت ہوتی ہے اس سے محروم ہو گئے یہ سب لوگ اگرچہ اپنے آپ کو ''پیر'' ''سید'' یا ''شاہ'' کہلواتے تھے مگر ان میں سے اکثر کا ذریعہ معاش زمیندارہ ہی تھا اور اس خاندان کے بیشتر افراد بڑی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن افسوس کہ ان میں بہت کم لوگ زیور تعلیم سے آراستہ تھے۔

ابتدائی حالات

زمانہ دراز گزرنے کے بعد اس خاندان میں ایک ایسی باعظمت ہستی پیدا ہوئی جس کی نظیر آج اقران و اماثل ہیں نہیں اس بزرگ انسان کا نام نامی و اسم گرامی سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے آپ بماہ ربیع الاول 1292ھ بروز دوشنبہ پیر سید مزمل شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ والد مرحوم و مغفور بہت تھوڑی زرعی زمین کے مالک تھے، جس کی قلیل آمدنی سے بمشکل تمام گھر کا خرچ چلتا تھا اس لیے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرکے آپ نے علم حاصل کیا اور حصول تعلیم کے فوراً بعد حصول معاش کے لیے آپ نے مدرّسی کا پیشہ اختیار کیا۔

شجرۂ نسب

حضرت پیر سید برکت علی شاہ قادری چشتی نظامی فخری نور اللہ مرقدہ کا شجرہ نسب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بغرض اندراج رسالہ ہذا جناب سید سردار علی شاہ صاحب نے ارسال فرمایا ہے جس کو من وعن نقل کرنا موجب طوالت ہوگا اس شجرے کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بیس واسطوں سے حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اسلام میں بغیر عمل اور تقویٰ کے محض نسب کی کوئی حیثیت نہیں حضرت سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اجداد کرام میں سے جو لوگ بہت زیادہ معزز ومحترم بزرگ سمجھے جاتے ہیں وہ صرف اس لیے لائق عزت واحترام ہیں کہ انہیں حسنی الحسینی ہونے کا شرف حاصل ہے بل کہ اس لیے لائق صد تعظیم اور مستحق صد احترام نہیں کہ وہ متقی و پرہیزگار تھے ان کی زندگیاں اتباع سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری تھیں تبلیغ اسلام کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا غرضے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے معیار پر پورے اترتے تھے۔

حضرت مولانا محمد رمضان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یا ہو سیّد یا ہو گولا (غلام) جس گھر تقویٰ وہ ہے اولا

اور حضرت عارف جامی قدس سرہ العزیز نے تو فیصلہ ہی فرما دیا ہے: ؎

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بیعت

آپ ابتدا ہی سے بہت زیادہ متقی، عابد، زاہد اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ غوث الثقلین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو غایت درجہ عشق تھا قادری خاندان کے اوراد و وظائف جو "ابا عن جد" آپ کے ہاں رائج تھے وہ آپ کا معمول تھے پھر آپ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا تو حضرت شیخ علی ہجویری المعروف داتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر حاضر ہو کر یہاں آنے والے مشائخ کرام کو ملتے رہے اور اکثر مراقبہ کیا کرتے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس شیخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس غرض کے لیے آپ کئی دفعہ لاہور آئے چنانچہ یہاں سے حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ(1) کا دامن پکڑنے کا اشارہ ہوا۔

(1) حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۳۲ھ میں واصل بحق ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ''بسی نو'' (متصل ہوشیار پور مشرقی پنجاب) میں ہے ''یارِ حق خواجہ محمد شاہ'' ۱۳۳۲ھ مصرع سال وصال ہے قبلہ میاں صاحب کی سوانح حیات بنام ''یادِ پیر'' از حضرت عمر خان صاحب مرحوم ۱۹۳۰ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھی اور مولانا احتشام الدین شوکت عثمانی مرحوم نے آپ کے سلسلہ عالیہ کے بزرگوں اور آپ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا جس کا نام ''سلسلۃ الذہب'' ہے یہ نادر و متبرک رسالہ تین بار شائع ہو چکا ہے۔ حضرت موصوف بڑے متبع قرآن و سنت بزرگ تھے آپ کی پابندی شریعت اور احترام اسلام کا اندازہ ذیل کے واقع سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

بزرگ محترم حکیم حاجی چراغ دین صاحب نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ ''میں حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا تو انہوں نے حسب قاعدہ مجھے ضروری نصیحتیں فرمائیں نماز پڑھنے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کی مگر کچھ عرصہ کے بعد باوجود پابندی نماز و اوراد کے تھیٹر کی قسم کی محفلوں میں دو چار مرتبہ چلا گیا۔ تو میرے استاد محترم حکیم مولوی فتح الدین رعیوی مرحوم مرید خاص حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چل گیا وہ بہت خفا ہوئے کہ ایسی محافل و مجالس میں ہرگز نہ جانا چاہئے اسی پر اکتفا نہیں کی بل کہ جب حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو شکایتاً ان کی خدمت میں بھی عرض کر دیا، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ''بھلے مانس تو نے میرے ہاتھ پر شریعت کی پابندی کی بیعت کی تھی مگر اسے تو نے خود ہی توڑ دیا اب اگر تو مجھ سے تعلق رکھنا چاہتا ہے تو پھر از سر نو بیعت کر۔'' چنانچہ میں توبہ کرنے کے بعد دوبارہ بیعت ہوا۔''

یہ حکیم صاحب ابھی زندہ و موجود ہیں دو سال ہوئے جب انہوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا۔

راقم الحروف نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے کہن سال مریدوں کو دیکھا ہے اور اکثر سے طویل صحبتیں رہی ہیں سب کو نماز پنج گانہ کا پابند اور دیگر اوراد و وظائف کا عامل ہونے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بہت زیادہ خیال رکھنے والے پایا حضرت قبلہ کے سجادہ نشین اور خلیفہ اعظم حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خان صاحب مدظلہ العالی و دامت برکاتہم تقسیم ہند کے بعد پاکپتن شریف جا کر مقیم ہو گئے آپ شیخ طریقت ہونے کے علاوہ عالم دین بھی ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بالآخر آپ نے حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے بیعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت موصوف موضع سدھار نین (جو خلچیاں سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے) نزیل تھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دراصل بیعت ہونے سے پہلے ہی ولی اللہ تھے شیخ کی نظر کیمیا اثر نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور بہت تھوڑے وقت میں منازل سلوک طے ہو گئیں چنانچہ کچھ مدت کے بعد حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنے ہمراہ دلی لے گئے یہاں کے بزرگان عظام رحمہم اللہ کے مزارات مقدسہ کی زیارتیں کرنے کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اجمیر میں حضرت خواجہ بزرگ کی درگاہ معلّٰی میں قیام کیا چند روزہ قیام کے بعد حضرت میاں صاحب بعد نماز تہجد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر حضرت خواجہ غریب نواز کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور آپ کو خلافت عطا فرما کر بیعت لینے کی اجازت بخشی۔

حلیہ ولباس

آپ کا قدس درمیانہ، سر بڑا، پیشانی کشادہ، اور رنگ گندمی تھا رعب وجلال بے حد تھا آپ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ اپنے ہاتھ سے سوت کات کر کپڑا تیار کرواتی تھیں اور آپ اسی نفیس باریک کھدر کے کپڑے سلوا کر زیب تن فرماتے تھے جو آپ کے پیکر نورانی پر بیش قیمت پوشاک سے زیادہ اچھے لگتے تھے۔

خوراک:

خوراک آپ کی نہایت سادہ تھی گندم یا چنے کی روٹی، نمکین لسی سے کھا کر خوش رہتے۔ مرغن و مجرب اغذیہ سے نفرت تھی مگر مہمانوں اور مسافروں کے لیے ان کے مذاق کے مطابق کھانا پکواتے لیکن سادگی یہاں بھی مدنظر رہتی۔ صوفی معراج الدین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحب مقیم حال لائل پور آپ کے مخلص خادموں اور ارادت مندوں میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ:

"میں رمضان شریف میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رات وہیں بسر کی سحری کے وقت مہمانوں کے لیے گھر سے پراٹھے اور گوشت پکا ہوا آیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے الگ کھانا آیا اور وہ خود بھی یہیں بیٹھ کر اس طرح کھانے لگے کہ ان کے سامنے جو کھانا رکھا گیا وہ کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا اور آپ کپڑے کے نیچے ہی سے لقمہ لے کر کھاتے جاتے میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شاہ صاحب کچھ خاص قسم کا کھانا کھا رہے ہوں گے ادھر میرے دل میں یہ بات آئی اور ادھر شاہ صاحب کسی کام کے لیے کھانا درمیان میں چھوڑ کر باہر گئے اتنے میں میں نے کپڑا ہٹا کر دیکھ لیا چنے کی روٹی اور پسا ہوا نمک مٹی کی رکابی میں رکھا تھا یہ دیکھ کر میں بہت نادم اور شرمندہ ہوا۔"

کسی عارف نے خوب کہا ہے:

محبت حق مجوز کسے کہ طالب نفس خویشتن است
اوّل شرطِ عشق خدا، ز حرص و ہوا گریختن است

ذریعہ معاش

حضرت پیر سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے حالات اس دور کے عام پیروں اور سجادہ نشینوں سے بالکل مختلف ہیں آپ نے اپنی اخیر زندگی تک اپنی مشیخت کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا اول تا آخر سکول میں پڑھاتے رہے۔ منڈی رعیہ(1) کے مڈل سکول میں پندرہ سال تک فارسی اور دینیات کے مدرس رہے اس کے بعد خلچیاں کے قرب و جوار کے مختلف مواضع میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے سکول کی ملازمت سے جو تنخواہ ملتی تھی یا جدی زمین سے جو معمولی آمدنی ہوتی تھی اس سے

(1) رعیہ منڈی خلچیاں سے قریباً چار میل جانب جالندھر برلب شاہراہ سوری (گرانڈ ٹرنک روڈ) واقع ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ضروریات زندگی کو پورا فرماتے تھے۔

امرت سر اور جالندھر کے مواضع میں آپ کے ہزاروں مرید تھے اور ان میں سے اکثر صاحب ثروت بھی تھے ان مریدین معتقدین میں سے بعض نے کئی دفعہ عرض کیا کہ آپ عمر رسیدہ ہیں اب پڑھانا چھوڑ دیجئے آپ کی تمام ضرورتوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے۔ مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی بھی کسی ایسی پیش کش کو قبول نہ کیا اور مستقل مزاجی سے اپنی روش پر قائم رہے۔

اخلاق و عادات

آپ بڑے رحیم و کریم اور شفیق تھے غرباء و مساکین میں رہ کر اور ان سے میل جول رکھ کر بہت خوش رہتے مرید کے لیے اپنے گھر سے خود کھانا اٹھا لاتے اور اگر اس کا اور بھی کوئی کام کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہ سمجھتے آپ دور سے آئے ہوئے مرید کو اپنا معزز مہمان جانتے امراء و رؤسا سے زیادہ تعلقات نہ رکھتے تھے۔

غرباء کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آنا اور امراء و سلاطین کی صحبت سے اجتناب کرنا ابتدا سے جملہ اولیا کا شیوہ چلا آیا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

بئس الفقیر علٰی باب الامیر و نعم الامیر علٰی باب الفقیر۔

یعنی بدترین فقیر وہ ہے جو امیر کے در پر جائے اور بہترین امیر وہ ہے جو فقیر کے آستانے پر حاضر ہو۔

شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سلسلہ کے لوگوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ

لواردتم بلوغ درجة الکبار فعلیکم بعدم الالتفات الٰی ابناء الملوك۔ (۱)

(۱) سیر الاولیاء میر خورد صفحہ ۶۸ بحوالہ برہان فروری ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۰۳ مضمون مولانا خلیق احمد نظامی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یعنی اگر تم اولیائے کبار کے درجے تک پہنچنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ بادشاہوں کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے ''انفاس العارفین'' میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے ایک مخلص کے ذریعے ملاقات کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے عالمگیر کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔ اور پیغام لانے والے کو ایک معمولی کاغذ پر جس میں ان کا جوتا لپٹا ہوا رکھا تھا، حسب ذیل عبارت لکھ کر دے دی:

''اجماع اہل اللہ است برآنکہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر و حق سبحانہ فرماید و ما متاع الحیوٰۃ الدنیا الاقلیل جزء اقل بہ شمار سید اگر بالفرض بمن خواہید واو جزء لا یتجزی خواہد بود برائے ایں جزء لا یتجزی نام خود را از دیوان خدائے تعالیٰ چرا برآرم زیرا کہ در بعض ملفوظات بزرگان چشتیہ مذکورست کہ ہر کہ نام اودر دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام اواز دیوان حق سبحانہ برمی آرند''(۱)

یعنی اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت بُرا ہے جو امیر کے دروازے پر جائے۔ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ''دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ہی قلیل ہے'' تم کو (اس کا بھی) قلیل ترین جز ملا ہے۔ اگر بالفرض تم کچھ مجھے دو گے تو وہ جز و لا یتجزی ہوگا۔ اس ٹکڑے کے لیے جو پھر ٹکڑا نہ ہو سکے گا میں اپنے نام کو خدا کے دفتر سے کیوں خارج کراؤں؟ بزرگان چشت کے بعض ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے۔

حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۱۹۹ھ سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ بادشاہ وقت اور دوسرے دولت

(۱) انفاس العارفین۔ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ ملتان ص ۶۸

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مندوں نے زمینیں اور جاگیریں دینی چاہیں۔ تو انہوں نے قبول نہ فرماتے ہوئے یہ ارشاد کیا کہ

"اگر می خواہند کہ ما دریں شہر باشیم بار دیگر ایں حرف تمنائے درمیاں نیاید۔"(۱)

پھر لکھا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ وقت (سراج الدین ظفر) ملاقات کے لیے آئے اور قلعہ میں تشریف لانے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے اخلاق کریمانہ کی بنا پر قبول فرمالیا جب وہاں سے واپس لوٹے تو سید حسن سے فرمایا:

"سید! آج ہم نے اپنے اوقات ایک دولت مند کی ملاقات میں صرف کر دیئے اور اس کے ہاں کھانا کھایا۔ اب اس کا کیا تدارک کیا جائے؟ انہوں نے (سید حسن نے) عرض کیا کہ "حضور مجھ سے زیادہ جانتے ہیں" فرمایا: وہاں جانے کی سزا یہ ہے کہ اس وقت ہم شہر کے درویشوں کو دیکھنے جاتے ہیں اور آپ بہت عمدہ اور لذیذ کھانے پکوا کر فقرا میں تقسیم کر دینا۔ یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے۔"(۲)

کتاب "یادِ پیر" کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ بھی امراؤ رؤسا کے ہاں آنا جانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ غرضیکہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ عظام اس کے بہت زیادہ پابند رہے ہیں مگر آج کل کے اکثر و بیشتر چشتیہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

شفقت علی الخلق

حضرت سید برکت علی شاہ گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ التعظیم لامر اللہ والشفقة علی خلق اللہ پر صحیح معنوں میں عمل پیرا تھے احکام الٰہی کی بجا آوری کے ساتھ مخلوق

(۱) مناقب فخریہ ص ۱۷

(۲) مناقب فخریہ فارسی مطبوعہ مطبع احمدی دلی ص ۱۷

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خدا پر اس درجہ شفیق و مہربان تھے کہ شاید ہی آپ کا کوئی مثیل ملے۔ کسی کی مصیبت اور تکلیف کا بیان سننے کی تاب نہ رکھتے تھے مصیبت زدہ کے منہ سے بات نکلتے ہی آپ مضطرب ہو جاتے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور مشکل کے حل کرنے کی ظاہری و باطنی کوشش میں اس طرح لگ جاتے جس طرح کہ یہ مشکل و تکلیف خود ان کو یا ان کے کسی جگر گوشے کو ہے۔ راقم الحروف کے دوست صوفی حاجی محمد دین صاحب نے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ

''ہمارے گھر میں ایسی نا اتفاقی پیدا ہوئی کہ کئی رشتے منقطع ہو جانے کو تیار تھے۔ اور جدال و قتال تک نوبت پہنچنے کو تھی کسی طرح یہ معاملہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں آ گیا اور آپ نے کمال تدبّر سے فریقین کو خون خرابہ کرنے سے باز رکھا۔ تنازعہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ صلح و صفائی میں دو دن لگ گئے اور اس عرصہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پانی تک نہ پیا۔''

حکیم مولوی فتح الدین صاحب رعیوی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور پیر بھائی تھے آپ جب فوت ہونے لگے تو یہ وصیت کی کہ

''میری گھوڑی میری طرف سے شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دی جائے تاکہ آپ اس پر سوار ہو کر سکول جایا کریں''۔

حسب وصیت، مرحوم کی گھوڑی آپ کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ آپ نے اسے قبول تو کر لیا مگر اس پر بہت کم سوار ہوتے۔ گھوڑی کی لگام پکڑے پیدل ہی سکول پہنچ جاتے اور اسی طرح واپس آجاتے۔ سوار اس دن ہوتے جب وقت بہت کم ہوتا۔ محترمی صوفی محمد امین صاحب نے عرض کیا: ''قبلہ! آپ گھوڑی پر سوار ہوا کریں۔'' تو آپ نے فرمایا! ''مجھے بلا ضرورت اس پر بوجھ ڈالتے ہوئے شرم آتی ہے''۔ دراصل یہ گھوڑی آپ نے صرف اپنے ایک مخلص کی روح کی خوشنودی کے لیے اپنے پاس رکھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لی تھی۔ ورنہ انہیں اس سے کسی قسم کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ بل کہ ان کے لیے تو تکلیف کا باعث بنی رہی حتیٰ کہ مرگئی۔

حاجی میراں بخش مرحوم جنہیں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بڑے سادہ لوح انسان تھے یہ اپنی بھینس کا بچہ رات کو اندر باندھنا بھول گئے اور وہ سردی کھا کر مر گیا۔ بچے کی موت کے باعث بھینس نے دودھ دینے سے انکار کر دیا۔ حاجی صاحب مرحوم نے حضرت شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ اور بھینس کے لیے تعویذ عنایت فرمانے کی درخواست کی۔ مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبع نازک پر یہ واقعہ نہایت گراں گزرا۔ اور اس قدر رنج و قلق ہوا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

''وہ بیچارہ کس طرح ٹھٹھر ٹھٹھر کر مرا ہو گا؟''

اور بار بار کہتے رہے:

''اتنی غفلت'' ''اتنی غفلت!''

حاجی صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت اس قدر مکدر و پریشان دیکھ کر مجھے بھینس تو بھول گئی۔ اور اپنی فکر دامن گیر ہو گئی کہ اب خیر نہیں چنانچہ وہی ہوا کہ چند روز بعد مجھے ایک سخت صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

انسانوں اور حیوانوں پر آپ کی ہمدردی اور شفقت کے بے شمار واقعات ہیں اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔

کمال انسانیت

محترم حکیم حاجی فقیر محمد صاحب رعیوی مدظلہ (میرے والد ماجد مرحوم کے ہم نام) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مقربین خاص میں سے ہیں۔ راقم الحروف نے انہیں لکھا کہ آپ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بابرکات لکھ کر مرحمت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرمائیں۔تو آپ نے بحالت علالت جواب سے سرفراز فرمایا۔اس مکتوب گرامی میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ من وعن درج ذیل ہے:

''حضرت شاہ صاحب کی مہمان نوازی، رحم دلی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو چار اور کبھی اس سے بھی زیادہ مسافر آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ان میں سے بعض کچھ نہ کچھ ضرور چُرا کر لے جاتے،کوئی بستر لے جاتا کوئی کمبل ہی لے جاتا۔جب پتہ چلتا تو کہتے:''آج جو مسافر آئے گا اسے ہرگز نہیں ٹھہرنے دیں گے۔'' لیکن شام کو جب مسافر آتے،سردی اور رات کو دیکھ کر آپ کو پھر رحم آ جاتا۔اور کچھ نہ کہتے اور کھانا کھلا کر بستر وغیرہ دے دیتے۔''

''تنہائی کو بہت پسند کرتے تھے لیکن لوگ ایسے اللہ والوں کو اپنی ضرورت کے پیش نظر جہاں کہیں بھی ہوں تلاش کر ہی لیتے ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی پچھلی طرف ایک چھوٹی سی جگہ تھی وہاں چھپ کر بیٹھے ''دلائل الخیرات'' پڑھ رہے تھے اور میں پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت موضع رتن گڑھ (جو خلچیاں سے مغرب کی جانب قریباً ایک میل ہے) سے آئی اور تلاش کرتی ہوئی مسجد کے اس گوشہ تنہائی میں پہنچی جہاں میں (احقر فقیر محمد) اور حضرت قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے اس عورت نے اپنی کچھ مشکلات بیان کیں تو حضرت بہت گھبرائے اور اسے کہا کہ میں تو بہت چھپتا ہوں لیکن لوگ مجھے تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ کدھر چلا جاؤں؟ ایسی ویسی باتیں کر کے اس عورت کو جھڑک دیا وہ بے چاری مایوس ہو کر روتی ہوئی چلی گئی تھوڑی دیر کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ خیال آیا کہ وہ عورت ایک میل کا سفر کر کے میرے پاس آئی اور میں نے اسے جھڑک کر واپس کر دیا ہے تو طبیعت نہایت پریشان اور بے چین ہوئی۔ چنانچہ مجھے کہنے لگے کہ تم یہاں بیٹھو میں ذرا باہر جاتا ہوں۔ آپ اسے اس کے گاؤں کے قریب سے جا کر تلاش کر کے واپس لائے گھر میں لا کر اس کی منت وسماجت کی اور پھر اس کی خاطر و مدارات کھانے وغیرہ سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کر کے اسے فرمایا کہ ''جاؤ۔ تمہیں جو مشکل درپیش ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں اب یہ تکلیف تمہیں نہیں ہوگی''۔

اپنے کیے پر پچھتانا تو سب کا کام ہے اور یہ احساس اس وقت تک رہتا ہے جب تک قلب بالکل سیاہ نہیں ہو جاتا۔ نفس لوامہ برابر احساس دلاتا رہتا ہے مگر اپنی معمولی سے معمولی فروگزاشت کو تسلیم کر کے پھر اسی کی تلافی کرنے کی کوشش کرنا صرف خاصانِ خدا ہی کا حصہ ہے صرف یہی ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کرانے کے لیے بہت کافی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک خاص واقعہ

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باہر گئے ہوئے تھے کہ واپسی پر رات ہوگئی۔ راستے میں ایک گاؤں آیا جہاں آپ کا ایک مرید رہتا تھا آپ رات گزارنے کی غرض سے اس کے گھر چلے گئے وہ مرید اتفاق سے بہت غریب تھا اس نے اپنے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضیافت کے لیے دو روپے میں دری رہن رکھ کر کھانا پکایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے نور باطن سے یا کسی اور ذریعے سے حقیقت حال سے آگاہی ہوگئی تو آپ نے اپنے پاس سے دو روپے مرید کے بچے کو دیئے اور اسی وقت وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور ''موضع دھولکا'' میں مرحوم حاجی خیرالدین کے ہاں جا رہے۔ حاجی صاحب دین دار اور درویش دوست انسان تھے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی بھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاجی صاحب کے مکان پر پہنچ کر بہت روئے حاجی صاحب کے استفسار پر بتایا کہ میری اس غلطی کی وجہ سے فلاں میرے ملنے والے کو یہ تکلیف پہنچی۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے عام مریدوں کے گھر میں جانا بند کر دیا۔ جب تک کوئی خاص طور پر نہ بلاتا کبھی نہ جاتے اور بلانے والے کی مالی حالت کا جائزہ لے کر جاتے اگر مطمئن نہ ہوتے تو بطریق احسن ٹال دیتے اور جس کے ہاں جاتے تھے اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے کہہ دیتے تھے کہ میں یہ کھانے کا عادی ہوں۔اور تمہارے ہاں بھی یہی کھاؤں گا۔ (یعنی سادہ خوراک)

آپ نذرانہ قبول کرنے میں بے حد محتاط تھے۔غیر مرید سے بالکل قبول نہیں کرتے تھے صاحب استطاعت جو پیش کرتے وہ مہمان خانے میں خرچ کر دیتے ان کا اپنا ذاتی خرچ اتنا کم تھا کہ سکول کی تنخواہ اور زمین کی معمولی آمدنی سے بھی بہت کچھ بچ جاتا جو مسافر نوازی اور غریب پروری میں صرف کر دیتے۔

افسوس کہ آج کل کے اکثر علماء و مشائخ میں یہ خصائص یکسر مفقود ہیں زبان سے تو دنیا کی مذمت اور دولت سے اظہار نفرت کرتے ہیں مگر عمل اس کے خلاف ہوتا ہے اس زمانے کے علماء اور صوفیہ کے حسب حال کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے:

عجبت من شیخی و من زهده
و ذکره النار واهوا لها
یکره ان یشرب فی فضة
ویسرق الفضة ان نالها!

یعنی میں اپنے شیخ اور اس کے زہد کو دیکھتا ہوں اور جس وقت وہ دوزخ اور اس کے عذابوں کا ذکر کرتا ہے تو میں حیران رہ جاتا ہوں۔نقرئی برتن میں پانی پینا اس کے نزدیک مکروہ ہے۔لیکن اگر وہ چاندی کو کہیں دیکھ پائے تو فوراً چرا لے۔

خاص بات

احقر راقم السطور کے والد ماجد مرحوم و مغفور سلسلہ چشتیہ میں حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خان صاحب مدظلہم سے بیعت تھے اور اورادو وظائف سلسلہ کے سخت پابند ہونے کے ساتھ اس بات کے شدید مخالف تھے کہ عیال دار مرید اپنا کاروبار چھوڑ کر پیر کے پیچھے پیچھے پھرتا رہے۔کیونکہ آج کل کے مصروفیت کے دور میں رزق حلال کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تلاش اور اس کا حصول سب سے بڑی شے ہے اور عبادات کی جان ہے۔ حضرت پیر سید برکت علی شاہ علیہ الرحمتہ کا بھی یہی مسلک تھا آپ نے تمام زندگی کسی مرید کو اپنے ساتھ بطور خادم رکھ کر دنیا سے بے تعلق نہیں کیا چنانچہ میرے ایک محترم اپنے شیخ کے ساتھ ہمہ وقت رہنے لگے تھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان سے تعلق خاطر تھا۔ آپ نے بہت سمجھایا کہ تم یہ کام چھوڑ دو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا بے شک تمہارا شیخ کامل ہے مگر اس طرح کی صحبت سے کچھ نفع و اثر نہ ہوگا وہ صاحب قریباً تیس برس اس چکر میں رہ کر اب اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد درست تھا۔

وعظ و تبلیغ

حضرت شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین[1] نہ تھے مگر اسلام کے بنیادی مسائل پر آپ کی بہت گہری نظر تھی اور مطالعہ بہت وسیع تھا چنانچہ آپ بہ وقت ضرورت وعظ بھی فرماتے تھے۔

خطبہ جمعہ تو خود ہی دیا کرتے تھے دور دور کے دیہات کے لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے آتے تھے۔

شاعری

شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے فوراً بعد آپ کے مرید صادق صوفی معراج دین صاحب معراج حال مقیم لائل پور نے ''برکت پیر'' کے نام سے ایک منثور و منظوم رسالہ شائع کیا تھا جس میں انہوں نے اردو و پنجابی نظموں میں ''مشائخ چشت'' اور اپنے پیرومرشد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس رسالے کے شروع میں انہوں نے حضرت سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بطور تبرک نقل کیا ہے۔ مگر یہ رسالہ کتابت و طباعت کے اغلاط سے پر ہے۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو شعر و شاعری سے ہرگز ہرگز و

(۱) مگر آج کل کے اکثر مولاناؤں سے زیادہ باخبر تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہ تعلق نہ تھا جو ایک شاعر کو ہوتا ہے انہیں ایسے کام کے لیے فرصت بھی کہاں تھی؟ مگر بعض اوقات اظہار جذبات کے لیے طبیعت شعر وسخن کی طرف مائل ہوتی ہے تو پھر بغیر کچھ کہے نہیں رہا جاتا۔ ذیل میں چند اشعار تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔

چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یا نبی! خواب میں گر شکل دکھائی ہوتی — درد فرقت کی گھٹا مجھ پہ نہ چھائی ہوتی!
میں سمجھتا کہ ہوئی مجھ کو ہے جنت حاصل — تیرے دربار میں گر میری رسائی ہوتی
بیٹھا رہتا جو دریار پہ میں بن کے فقیر — تو شہنشاہی سے بہتر یہ گدائی ہوتی!

جگر گوشہ بتول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

دشت کربل میں شہادت نہ اگر پاتے حسینؓ
حق پرستوں کی نہ پھر راہنمائی ہوتی

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کی حاضری پر چند مدحیہ اشعار کہے تھے ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

مہاراج غریب نواز دھنی خواجہ چشت نگر کے والریا
متھے تلک[1] حبیب اللہ کا سجت سر کے تاج کی شان نرالریا
جب کہ خواجہ کے چرن اجمیر بھئے تب تو ہندوستان کے بھاگ جگے
نبی پاکؐ کے نام کے ڈنکے بجے توحید کی بج گئی بانسریا

حضرت میراں علی محمد خلجیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

واہ آپ کی ہے کیا شاں، میراں علی محمد
ہر ایک ہے ثنا خواں، میراں علی محمد
ترے گھر کے ہم غلاماں، میراں علی محمد

(۱) یہاں حضرتؒ کا اس طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو تجہیز و تکفین کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی مبارک پر سبز خط میں لکھا ہوا تھا: "مات حبیب اللہ فی حب اللہ" (اللہ کے حبیب نے اللہ کی محبت میں جان دیدی)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ترا فیض ہے فراواں، میراں علی محمد

گل گلستان حضرت خاتونِ پاک جنت

حسنینؓ کے دل و جاں میراں علی محمد

پنجابی زبان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک طویل منقبت لکھی ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کو زبانی یاد ہے۔ اور اسی طرح دیگر کلام بھی مگر اس وقت ہمیں میسر نہیں آسکا۔

کرامات

شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خرق عادات اور کرامات کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عقیدت مند جناب عزیز صاحب نے ایک کتاب آپ کے حالات و کرامات کے متعلق لکھی ہے (غیر مطبوعہ ہے) اس میں سو سے زیادہ آپ کی کرامات کا تذکرہ لکھا ہے ان کے علاوہ بہت سی راقم آثم کو بھی معلوم ہیں اسی لیے میں نے آپ کی تاریخ وفات "مخزن کرامات" (۱۳۵۹ھ) نکالی ہے مگر ان کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ جن باتوں کی پیروی کر کے ہم دنیا اور دین کو سنوار سکتے ہیں وہ قدرے لکھ دی گئی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خرق عادات کا ظہور تو ننگے دھڑنگے مجذوبوں سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن یہ مجاذیب ان عرفاء کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ مجاذیب کی زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت میں نہیں گزرتی۔ اور حضور کی پیروی سب سے اعلیٰ و ارفع کرامت ہے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الولایة ظل النبوة والنبوة ظل الالوهیة و کرامة الولی استقامة فعله علی قانون قول النبی صلی الله تعالی علیه وسلم۔ (۱)

(۱) بہجۃ الاسرار مطبوعہ مصر ص ۳۹ بحوالہ مقال العرفاء مصنفہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۲
یعنی ولایت پرتو نبوت ہے اور نبوت پرتوِ الوہیت' اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کا فعل نبی ﷺ کے قول کے قانون پر ٹھیک اترے۔

حضرت ممدوح کا ذکرِ جمیل جو تحریر ہوا۔ یہ بالکل "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق ہے۔ راقم آثم کے حافظے میں ابھی کئی اور واقعات محفوظ ہیں جو بخوفِ طوالت حوالۂ قرطاس وقلم نہیں کیے۔ موقع ملا، تو پھر کبھی تفصیل سے لکھا جائے گا ان شاء اللہ۔

اب اس عارف حق کے سفر آخرت اور مابعد کے حالات ملاحظہ فرمائیں!

سفر آخرت

آپ بعارضۂ قولنج بیمار ہوئے۔ حاجی شیخ خیرالدین مرحوم آپ کو امرت سر کے وکٹوریہ ہسپتال لے آئے۔ مگر آپ داخل نہ ہوئے اور وہاں سے احقر کے والد ماجد علیہ الرحمتہ کے پاس تشریف لے آئے۔ اور دوا لے کو فوراً واپس چلے گئے۔ اور جاتے ہوئے والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا؛[1]

"لو حکیم جی! یہ آپ کی اور ہماری آخری ملاقات ہے۔"

اگلے ہی دن ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۹ء بروز جمعہ تین بج کر ۴۱ منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ہزارہا لوگ شریکِ جنازہ ہوئے۔ اور آپ کی بنائی ہوئی مسجد سے ملحقہ زمین میں آپ کو دفن کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ الشریف

برادر معظم جناب حکیم شمس الدین صاحب مدظلہ حکیم حاذق مقیم حال پاک پتن شریف کی روایت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات کی اطلاع پا کر شیخ المشائخ حضرت میاں علی محمد خان صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ

"سید برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ماں کے پیٹ سے جس طرح معصوم پیدا ہوئے تھے اسی طرح اس دنیا سے رخصت ہوئے۔"

---

(۱) راقم آثم نے اس دن آپ کی تیسری بار زیارت کی تھی جو آخری بن گئی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قطعات تاریخ وفات حسرت آیات

حضرت شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر نامور شعراء نے پنجابی، اردو اور فارسی میں فراقیہ نظمیں اور تاریخی قطعات لکھے۔ ذیل میں صرف اردو اور فارسی کے چند قطعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا پیر غلام دستگیر نامؔی مرحوم و مغفور

ندائے الٰی ربک ارجعی! چو برکت علی شاہ چشتی شنفت
بہ خلد بریں چہرہ افروز شد براو رنگ جنت بہ آرام خفت
بہ پیرش محمد شہ نام دارد ملاقی شدہ ہم چو گل بر شگفت
پئے سال فوتش بنامؔی سروش!
''علی یار برکت علی شاہ'' گفت

۱۳۵۹ھ

(۲)

از حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت صاحب قادری نوشاہی
سجادہ نشین درگاہ عالیہ حضرت نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہٗ

سیدِ برکت علی شاہ مردِ حق در جہاں از عارفاں بردہ سبق
صابر و شاکر ولی با کمال سر گروہِ عاشقانِ ذوالجلال
جامعِ علم و عمل سلطان دیں خادم درگاہ ختم المرسلیں
مقتدائے صوفیان باصفا افتخار چشتیانِ ذوالہدیٰ
گشت در فردوس اعلیٰ خوش مقام رحمت حق باد بر روحش مدام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گو شرافت سالِ نقلِ آں ولی
"عاشق دیں مولوی برکت علی"
۱۳ ھ ۵۹

(۲)

استاذ الشعراجناب ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب

مدیر اعلیٰ "مہر وماہ" لاہور

وصال حضرت برکت علی پر | ہوئی اندوہ گیں روحانیت ہے
پئے شیدائیانِ شاہ والا | خزاں دیدہ ریاضِ شش جہت ہے
دل ہر معتقد میں اللہ اللہ! | فروزاں شمع نور معرفت ہے
ہوئے مدحت سرا ہیں حور و غلماں | لب رضواں پہ ان کی منقبت ہے
خدائے ذوالمنن سے اہل حق کی | پئے حضرت دعائے مغفرت ہے
فضائے روضہ پر نور واللہ! | حقیقت میں بہار میمنت ہے

فدا از روئے الحمد تاریخ!
"بفردوس بریں قدسی صفت" ہے
۱۳ ھ ۵۹=۱+

آپ کا خلیفہ

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ لاولد تھے۔ آپ نے اپنے رشتہ داروں اور مریدوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ یا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ حضرت الحاج الشاہ میاں علی محمد خان صاحب دام فیوضہم (جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور آپ کے شیخ کے نواسے ہیں) نے باشارہ غیبی حضرت سید سردار علی شاہ صاحب کو آپ کا خلیفہ مجاز آپ کے چہلم کے موقع پر مقرر فرمایا۔ اور اصول مشائخ کے مطابق رسم دستار بندی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ادا کی۔ اس وقت دیگر کئی اولیائے کبار کے سجادگان اور صوفیائے باصفا موجود تھے۔

میرے برادرِ مرحوم جلال الدین مدفون پاک پتن بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز و سجادہ نشین حضرت سید سردار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بمقام خلچیاں ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید شاہ محمد مرحوم تھا، جو حضرت سید برکت علی شاہ علیہ الرحمتہ کے چچیرے بھائی تھے۔ سید سردار علی شاہ صاحب نے خلچیاں ہی میں تعلیم حاصل کی اور حضرت قبلہ شاہ صاحب مغفور کا دامن نوعمری ہی میں پکڑ لیا تھا۔

حصول خلافت کے بعد آپ نے حضرت میاں علی محمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمت بابرکت میں رہ کر اکتسابِ فیض کیا اور تا حال حضرت موصوف دام ظلہم کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے رہتے ہیں حضرت قبلہ میاں صاحب آپ پر بڑی شفقت فرماتے ہیں۔

سید سردار علی شاہ صاحب ہجرت کے بعد چک نمبر ۱۲۰ جنوبی سکھاں والی تحصیل وضلع سرگودھا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کیونکہ انہیں اس گاؤں میں زمین الاٹ ہو گئی تھی۔ آپ اپنے پیرومرشد کا عرس یہیں کرتے ہیں۔

سید سردار علی صاحب زمیندار ہیں اور پیر بھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں وہی اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ پیدا فرمائے۔ جن کی بدولت حضرت مرحوم کی زندگی ایک نمونہ تھی، نہ صرف عوام کے لیے، بل کہ مشائخ کرام کے لیے بھی۔

سالانہ عرس

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عرس یوم وصال کے بجائے یوم چہلم پر ہونا قرار پایا تھا، چنانچہ یکم اور دوئم ذیقعدہ کو آپ کا عرس خلچیاں میں ہوتا رہا اور اب ان تاریخوں میں چک ۱۲۰ میں ہر سال ہوتا ہے، دور دور سے آپ کے عقیدت مند عرس میں شمولیت کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیے آتے ہیں۔لائل پور کے احباب خاص عقیدت کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔

آپ کی قبر کھودی گئی

موضع خلچیاں برلب شاہراہ سوری امرت سر سے جالندھر کی جانب جاتے ہوئے انیسویں میل پر واقع ہے یہ گاؤں خالص مسلمانوں کا تھا۔صرف چند گھر ہندوں کے تھے۔تقسیم ملک کے وقت یہ گاؤں کیمپ تھا۔

جوں ہی یہ لوگ پیدل قافلے کی صورت میں پاکستان آئے ادھر سے گئے ہوئے شرنارتھی وہاں جا بسے۔انہوں نے مسجد کو تو گوردوارہ میں تبدیل کر لیا اور حضرت شاہ صاحب کی قبر کو کھود کر تابوت باہر نکالا لاش کو دیکھا تو بالکل تر و تازہ تھی۔اتنے میں وہاں اور گرد و نواح کے مقامی لوگوں کو پتہ چل گیا جو آپ کی عظمت اور بزرگی کے قائل تھے انہوں نے دوبارہ میت کو قبر میں رکھ کر بند کر دیا۔اس حادثہ فاجعہ کا علم ہمیں اسی وقت ہو گیا تھا۔

چنانچہ ۱۹۵۴ء میں راقم آثم سردار کشن سنگھ مان نمبر دار و رئیس رعیہ سے ملا۔یہ صاحب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کے علاوہ بزرگان اسلام سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں انہیں حضرت خواجہ میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حضور بارہا حاضر ہونے کا شرف نصیب ہوا ہے میں ان کی قلبی کیفیات سے بخوبی واقف ہوں۔اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تعلقات عرصہ ساٹھ سال سے تھے۔

میں نے سردار کشن سنگھ صاحب سے اس واقعہ کی تصدیق چاہی تو اثبات میں سر ہلا کر رونے لگے۔اور دیر تک روتے رہے ذرا سنبھلے تو میں نے پھر یہی پوچھا کہ کیا واقعی حضرت شاہ صاحب کا جسم تر و تازہ تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت ''رعیہ'' میں نہیں تھا، باہر گیا ہوا تھا واپسی پر مجھے اس افسوسناک حادثے کا علم ہوا اور جن لوگوں نے دوبارہ دفن کیا۔انہوں نے یہی بتایا ہے کہ جسم اور کفن بالکل ٹھیک تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

غالباً ۱۹۵۵ء میں ہندوستان جانے کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ احقر اور محترم جناب خواجہ غلام (۱) صمد مرحوم انبالوی سابق ایم ایل اے اور دیگر احباب ہوشیار پور حضرت میاں محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر جارہے تھے کہ خلجیاں موڑ کھڑی کر کے ہم پہلے حضرت میراں علی محمد شاہ علیہ الرحمتہ کے مزار پرانوار پر گئے۔ یہاں فاتحہ خوانی کے بعد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں سلام نیاز مندانہ پیش کیا۔ اور مغرب کی نماز باجماعت یہیں پڑھی۔ محترم حاجی محمود خان صاحب مالک ''راجپوت ہاؤس لاہور'' نے مؤذن اور امام کے فرائض سرانجام دیئے۔

شاہ صاحب کی قبر دوبارہ پختہ بنادی گئی ہے اس پر گینڈے کے پھولوں کے گملے بڑے قرینے سے سجائے ہوئے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت کے مزار کی بے حرمتی کی تھی وہ طرح طرح کی آفات میں مبتلا ہو کر کچھ تباہ ہوگئے، کچھ مر گئے اور باقی علاقہ چھوڑ گئے۔ اس کے بعد ہی سے شرنارتھی، مزار کا احترام کرنے لگے ہیں۔ مگر انہوں نے مسجد کو گوردوارہ بنایا ہوا ہے۔

ہم جب فراغت نماز وغیرہ کے بعد واپس لوٹ رہے تھے، تو جن مزارات و مقابر پر کبھی چراغاں ہوتا تھا ان پر بالکل اندھیرا اور ویرانی دیکھ کر یہ شعر یاد آیا: ؎

مدتے آمد نمی گرید چراغ تربتم
گر خموشش کرد صرصر سوگواراں راچہ شد

---

(۱) جناب خواجہ صاحب مرحوم بڑے ہمدرد قوم وملت بزرگ تھے آپ حضرت خواجہ میاں محمد شاہ ہوشیارپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ لاہور آکر دھوبی منڈی انارکلی میں رہتے تھے راقم آثم کے والد ماجد سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے مجھ پر ہمیشہ مہربان رہے۔ فی زمانہ ایسے نیک دل اور مومن انسان کا ملنا محال ہے آپ ۱۹۵۹ء مطابق ۱۳۷۹ھ میں واصل بحق ہوئے میں نے ''خواجہ شدہ بجنت'' (۱۳۷۹ھ) فی البدیہہ تاریخ کہی۔ رحمۃ اللہ علیہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قبریں کھودنا ہندوؤں کی پرانی رسم ہے

ہندوؤں کو جب کبھی بھی موقع ملا انہوں نے مقابر مسلمین کو کھود کر لاشوں اور ڈھانچوں کو باہر نکال کر اور توڑ پھوڑ کر اپنے ارمان نکالے۔

جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی ایک قافلے کے ساتھ ۱۹۴۹ء میں پانی پت گئے تھے انہوں نے وہاں دیکھا کہ مشہور مسلم بزرگان دین کی قبروں کو کھودا ہوا تھا اور ڈھانچے نکال کر باہر پھینکے ہوئے تھے۔ یہ تمام حالات موصوف نے لکھے جو تین قسطوں میں ۲۹ و ۳۱ جولائی و یکم اگست ۱۹۴۹ء کو روزنامہ نوائے وقت لاہور میں شائع ہوئے۔

''عماد السعادت'' مؤلفہ سید غلام علی جو مسٹر جان بیلی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، اس کا وہ حصہ جس میں پانی پت کی لڑائی کا ذکر ہے، خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم نے ''ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی'' کے نام سے شائع کیا تھا اس وقت کے ہندو سورماؤں کے جذبات کیسے تھے؟ تاریخ دانوں پر واضح ہیں۔ پونا کے ایک جنگی جلسے میں ''سداشیو پنڈت بھاؤ'' نے جو تقریر کی اس کے چند فقرے ملاحظہ ہوں:

> ''ہم سومنات کی مورتی شاہ جہاں کی بنائی ہوئی مسجد دہلی کے منبر پر نصب کریں اور پھر پنجاب پر قبضہ کر کے افغانستان میں گھس جائیں اور غزنی میں محمود غزنوی کا مقبرہ ڈھا دیں۔ اور اس کی لاش کو قبر سے نکال کر اس کے دانت توڑ دیں اور پھر اس کو آگ میں جلا دیں۔''

(ہندو مسلمانوں کی آخری لڑائی ص ۱۴)

جب یہ لشکر پونا سے چل کر راستے میں قتل و غارت کرتا ''بیانہ'' کے مقام پر پہنچا تو وہاں کیا گل کھلایا:

''جب یہ آندھی ''بیانہ'' کے مقام پر پہنچی جو راجہ سورج مل جاٹ کی حکومت کا ایک مشہور قلعہ تھا اور جہاں بے شمار مسجدیں اور قبریں نامور مسلمانوں کی تھیں وہاں اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فوج نے نامور امیروں اور حکمرانوں کی قبریں کھودیں اوران کی لاشیں نکال کران کے دانت توڑے"۔(ص ۳۰)

"لاہور میں جب مسجد شہید گنج کا جھگڑا اٹھا تو سکھوں نے حضرت شاہ کاکو چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار جو مسجد شہید گنج سے ملحق تھا، کھود ڈالا۔"

(تاریخ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی ص ۱۵۰)

سچ کہا ہے کہنے والے بزرگ نے:

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو! — درسینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی امرتسری

سیرت غوث اعظم (قدس سرہٗ) کے مؤلف مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی مرحوم حضرت علامہ مولانا نوراحمد پسروری ثم امرت سری (رحمۃ اللہ علیہ) مصحح ومحشی مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی وخلیفہ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی کے فرزند سوم تھے۔ انہوں نے ایف اے تک جدید تعلیم حاصل کی تھی اور دینی تعلیم اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت علامہ محمد عالم آسی امرت سری (خلیفہ حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی) اور مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی سے پائی۔ جناب ابوالبیان شعروشاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ چنانچہ علم عروض کی تحصیل بھی حضرت مولانا آسی سے کی۔

مولانا محمد داؤد فاروقی ایک بلند پایہ خطیب تھے اور اوائل عمر ہی میں تالیف وتصنیف کا شغل اختیار کرلیا تھا عین دورانِ شباب میں ان کی سحر بیانی کا ڈنکا بجنے لگا تھا شدھی کی تحریک کے دنوں میں انہوں نے خطابت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور اس کی پاداش میں مہمانِ جیل بھی رہے۔ حضرت مولانا نوراحمد کے انتقال پرملال کے بعد اپنی خداداد صلاحیت واہلیت کی بناء پر ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ چنانچہ تاحیات مسجد شیخ بڈھا اور عیدگاہ کی خطابت کے علاوہ انجمن اسلامیہ امرت سر کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی محفل میلاد النبی ﷺ کے منتظم رہے۔ [۱]

خاندانی تعلقات اور ہمسائیگی کے علاوہ راقم الحروف نے 1937ء سے 1942ء تک مولانا محمد داؤد کو بہت قریب سے دیکھا ان ایام میں وہ فقیر منش، درویش دوست اور حضور پرنور نبی کریم ﷺ کے عاشق صادق تھے۔ انہوں نے بچپن میں حضرت شاہ

(۱) مولانا محمد داؤد سے قبل حضرت مولانا نوراحمد یہ خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابوالخیر مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔ زندگی کے آخری سالوں میں حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی سجادہ نشین بسی شریف رحمۃ اللہ علیہ (مدفون پاکپتن شریف) سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا داؤد پر جب فقر و درویشی کا غلبہ ہوا تو انہوں نے اپنی مصروفیات کو بہت محدود کر لیا تھا۔ صرف حسب ذیل معمولات کو بطریق احسن نبھاتے رہے:

خطبہ جمعہ، خطبات عیدین، انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی محفل میلاد کا انعقاد و انصرام اور اس میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر دل پذیر، معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شب براءت، لیلۃ القدر کی تین راتوں میں مسجد شیخ بڈھا میں محافل ذکر منعقد کراتے اور آخر میں صلوۃ و سلام مع القیام ہوتا، اور ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ محفل نعت منعقد کراتے، حضرت داتا گنج بخش اور حضرت مجدد الف ثانی (رحمہما اللہ تعالی) کے عرسوں میں باقاعدگی سے حاضری دیتے اور تقریر بھی کرتے کبھی کبھی حضرت علی احمد صابر کلیری قدس سرہ کے عرس میں بھی شرکت کرتے، امرت سر میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑی گیارھویں شریف کے جلوس نکلتے تھے ان جلوسوں کی قیادت مولانا پیر عبدالسلام ہمدانی، مولانا غلام محمد ترنم اور ابوالبیان محمد داؤد فاروقی (رحمہم اللہ) کرتے تھے۔

مولانا ابوالبیان کثیر التصانیف عالم تھے۔ چند ایک کے نام یہ ہیں، سیرتِ غوثِ اعظم، سیرت امام ربانی، خون کربلا، چاہ بابل، آسمانی کڑک (ردمرزائیت) مرزائیوں سے بائیکاٹ، سوانح صابر کلیری وغیرہ۔ آخر عمر میں جواز میلاد شریف پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی اور مجموعۂ مواعظ بھی ترتیب دیا تھا۔ یہ نوادر ان کی وفات کے فوراً بعد کسی نے چرا لیے۔

مولانا ابوالبیان کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ان کے بڑے بھائی مولانا محمد سلیمان فاروقی نے صرف اس قدر بتایا تھا کہ بہ وقت وفات ان کی عمر 34 یا 35 سال تھی۔ مولانا ابوالبیان کی وفات پر اخبار الفقیہ امرت سر نے مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا:

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"مولانا محمد داؤد صاحب ابن حضرت مولانا حاجی مولوی نور احمد صاحب پسروری حنفی امرت سری خطیب جامع مسجد شیخ بڈھا مرحوم وخطیب عیدگاہ، امرت سر چند یوم بیمار رہ کر عین عالم شباب میں مورخہ یکم جون 1942ء کو انتقال کر گئے (انا للہ و انا الیہ راجعون......

مرحوم نہایت خوش بیان واعظ تھے امرت سر کی بے شمار خلقت نماز جنازہ میں شریک ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے ہمیں ان کے خاندان سے اور ان کے بڑے بھائی مولوی محمد سلیمان صاحب بی اے سے دلی ہمدردی[1] ہے۔" (ایڈیٹر)

مولانا ابوالبیان کی وفات حسرت آیات پر ہر شخص کو شدید صدمہ ہوا۔ جب جنازہ اٹھا تو پیر و جوان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ انجمن پارک کے وسیع گراؤنڈ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور مسجد نعد سے متصل والد گرامی قدر (حضرت مولانا نور احمد) کے پہلو میں محو خواب ابدی ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات از حضرت علامہ مولانا محمد عالم آسی امرت سری علیہ الرحمۃ

سُنی مرگِ داؤد کی جو خبر ہوئے فکرِ تاریخ میں ہوش گم
سنِ وصل پر یوں پکارا سروش کہو "مولوی داخلِ خلد" تم

۶۱ ۱۳ھ

مولانا ابوالبیان کی تمام تصانیف سے عمدہ سیرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہے جو ایک عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا صاحبزادہ محمد سعد سراجی الملقب بہ "مرشد بابا" کو کہ انہوں نے خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے اسے دوبارہ طبع کرا دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

(ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ/اپریل ۱۹۸۰ء)

(۱) اخبار الفقیہ امرت سر، ۷ جون ۱۹۴۲ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا مفتی عبدالرحمٰن امرتسری

گزشتہ سو سال میں امرت سر میں بے شمار علماء، فضلاء اور صوفیہ پیدا ہوئے اور یہاں کے مراکز علم سے لاتعداد طلبہ فیض یاب ہو کر اطراف عالم میں پھیل گئے اور کئی بزرگ ہستیاں اپنے مولد و موطن کو چھوڑ کر اس علم پرور اور علماء نواز شہر میں آ کر سکونت پذیر ہو گئیں۔ ان علماء کرام میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی علمی عظمت اور دینی خدمات کا اعتراف غیر منقسم ہند سے باہر بلاد اسلامیہ میں بھی کیا گیا اور بعض ایسے بھی تھے جن کی عظمت کے ساتھ شہرت نے تعاون نہ کیا اور وہ خود بھی اس کے خواہش مند نہ تھے۔ اس لیے ان کا شہرہ نہ ہو سکا لیکن ان کا علمی و روحانی مقام بہت بلند و ارفع تھا۔ ایسے ہی علماء میں سے آج ایک بزرگ ہستی کا ذکر جمیل پیش نظر ہے جن کے دم سے امرت سر میں علم کی ایک ایسی شمع فروزاں ہوئی جس کی روشنی سے لاتعداد طالبان حق نے راہ پائی۔ راقم بھی کئی سال تک بزرگ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور بقدر ظرف و استعداد ان کے فیض تعلیم و صحبت سے مستفید ہوا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن مرحوم مدرس مدرسہ نعمانیہ امرت سر ضلع ہزارہ کے ایک گاؤں دو ہندی سیداں کے ایک صوفی منش بزرگ مولانا برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر 1899ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر ہی میں ہوئی اور پرائمری تک کی تعلیم اپنے قریبی گاؤں بھیرہ کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ فطری صلاحیتوں، خداداد ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ہر جماعت کے تمام مضامین میں اول آتے رہے۔ چنانچہ سکول کے ہیڈ ماسٹر کا اصرار تھا کہ مزید جدید تعلیم کے لیے آپ کو ہری پور ہزارہ کے ہائی اسکول میں داخل کرایا جائے۔ مفتی صاحب کے والد اس پر آمادہ نہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئے اور فرمایا: میں اپنی اولاد کا رخ بیت اللہ سے ہٹا کر لندن کی طرف نہیں کرنا چاہتا۔ چناں چہ آپ کو جدید تعلیم سے ہٹا لیا گیا۔ انہی دنوں آزاد علاقے کے مشہور عالم دین اور پیر طریقت حضرت فقیر صاحب مرحوم ضلع ہزارہ میں تشریف لائے۔ آپ کے والد آپ کو ان کی خدمت مین لے گئے اور عرض کی کہ میرے اس بیٹے کو اپنے حلقہ تلامذہ میں داخل فرمائیں اور اپنے ساتھ لے جائیں۔ حضرت فقیر صاحب نے قبول فرمالیا اور واپس جاتے ہوئے اپنے علاقہ ''الائی''[1] لے گئے۔

آپ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور والد کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے بخوشی روانہ ہوئے مگر دشوار گزار، پیادہ پا سفر کی صعوبتوں اور مشقتوں کی وجہ سے الائی پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے اور عرصے تک صاحب فراش رہے۔

جو کوئی نکلا وطن سے خوں ہوا اس کا جگر
سبز ہے جب تک کہ ہے مرجان کا مسکن آب میں

لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور مستقل مزاجی سے وہیں رہے۔ صحت یاب ہونے پر حصول علم میں محو ہو گئے۔ دو سال تک فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور اس عرصے میں عربی صرف ونحو کی مروجہ کتب کافیہ تک پڑھیں۔ اس کے بعد اپنے وطن واپس آگئے اور یہاں آکر اپنے گاؤں کے قریب موضع گانگو میں مولوی فضل حق صاحب مرحوم سے پڑھتے رہے۔

مدرسہ نعمانیہ لاہور میں

اب آپ کی یہ حالت تھی کہ حصول علم کا شوق بہت بڑھ چکا تھا۔ مگر گاؤں میں آپ کی تشنگی علم کو تسکین نہ ہوتی تھی۔ ایسی حالت کے متعلق حضرت ابو سعید الخدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

(۱) ''الائی'' آزاد قبائل کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔ فقیر صاحب کا مسکن جس موضع میں تھا اس کا علم نہیں ہو سکا لہٰذا علاقہ لکھا گیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ سَمِعَهُ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔

''مومن کو نیکی کی بات سننے (یعنی طلب علم) سے سیری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔''

ان دنوں ''مدرسہ نعمانیہ ہند لاہور'' کا سارے ہندوستان میں شہرہ تھا۔ آپ وطن کو خیر باد کہہ کر لاہور آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں داخلہ لے کر تین سال تک پڑھتے رہے۔

مدرسہ نعمانیہ امرت سر میں

اس زمانے میں حضرت الحاج مولانا مفتی نور احمد پسروری ثم امرت سری کا قائم کردہ مدرسہ نعمانیہ امرت سر بھی کافی شہرت پا چکا تھا۔ بانی مدرسہ کی ذات گرامی اپنے علم و فضل کے لحاظ سے متحدہ ہندوستان کے سربرآوردہ علماء میں سے ایک تھی۔ آپ کے نام پر طالبان علم دور دراز کے علاقوں سے امرت سر کھنچے چلے آتے تھے۔ چنانچہ مفتی صاحب بھی امرت سر پہنچے اور مولانا نور احمد صاحب کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے لگے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا مفتی غلام مصطفٰی قاسمی کشمیری مرحوم و مغفور سے بھی اصول و فنون کی بعض کتابیں پڑھیں اور عربی ادب میں حضرت علامہ شیخ الادب مولانا محمد عالم آسی سے بھی استفادہ کیا۔

دیو بند میں

تقریباً ایک سال تک امرت سر رہنے کے بعد دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے اور تین سال تک وہاں کے علماء و فضلاء سے فیوض حاصل کیے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی اور استاذ الکل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری ایسے بزرگوں سے خاص طور پر مستفیض ہوئے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تدریس کا آغاز

دیوبند سے سند فراغت اور افتاء وتدریس کا اجازہ لے کر آپ امرت سر واپس آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں قیام فرمایا۔ ان دنوں مدرسہ نعرۃ الحق (زیر جامع مسجد میاں محمد جان ہال بازار امرت سر جس کو حضرت مولانا مفتی غلام رسول کشمیری رحمۃ اللہ علیہ المعروف رسل بابا نے قائم کیا تھا) میں ایک مدرس کی ضرورت تھی، مہتمم مدرسہ غلام مصطفیٰ مرحوم نے آپ کو وہاں مدرس رکھ لیا۔ تین سال تک اس مدرسے میں پڑھاتے رہے اور بعد میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ آپ کو مستعفی ہونا پڑا۔

مدرس و مفتی مدرسہ نعمانیہ

مدرسہ نعرۃ الحق سے مستعفی ہوئے ہی تھے کہ حضرت مولانا نور احمد نے مدرسہ نعمانیہ واقع مسجد شیخ بڈھا مرحوم[1] میں مدرس اعلیٰ رکھ لیا۔ آپ نے اپنے فرائض کو کماحقہ ادا کیا اور خداداد لیاقت، پرخلوص حسن کارکردگی، فتویٰ نویسی میں فطری رجحان اور جذبۂ خدمت دین کا اتنا صحیح مظاہرہ کیا کہ مولانا نور احمد نے افتاء کا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا۔

آپ نے تدریس وافتاء کے عظیم کاموں کو جس ذہانت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ بانی مدرسہ کی رحلت کے بعد مدرسے سے آپ کا تعلق روح وجسم کا سا ہو چکا تھا یا یہ کہنا چاہیے کہ مدرسہ اور آپ لازم وملزوم ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ کا سال وفات اور مدرسہ مذکور کے خاتمے کا سال ایک ہی ہے۔

ع شمع گل ہو کر بجھی، پروانہ جل کر رہ گیا

---

(۱) مدرسہ نعمانیہ امرت سر طلبہ کی کثرت اور جگہ کی قلت کے سبب دو جگہ پر تقسیم تھا۔ ایک برانچ مسجد خیر الدین ہال بازار میں اس کے انچارج مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ تھے۔ دوسری مسجد شیخ بڈھا میں۔ اس کے اول مدرس مفتی عبدالرحمٰن تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

افسوس کہ آج نہ مدرسہ نعمانیہ ہے، نہ ہی مفتی صاحب ہیں اور نہ ہی وہ مسجد شیخ بڈھا مرحوم ہے جس میں یہ دینی درس گاہ تھی حاجی شیخ بڈھا مرحوم نے اس مسجد کو آج سے اَسّی (80) سال پہلے ڈیڑھ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کرایا تھا جو مغل فن تعمیر کا کام یاب نمونہ تھی۔ تقسیم ملک کے چند سال بعد تک یہ تاریخی مسجد قائم رہی اور اس میں پہلے شرنارتھی رہنے لگے تھے پھر یہ مندر میں تبدیل کر دی گئی لیکن اس پر بھی اکتفا نہ رہ سکی۔ غالباً 1951ء میں اس یادگار مسجد کو بل ڈوزروں کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مسلمانوں کے ترک وطن کے وقت چوک فرید موری گنج امرت سر کے تمام علاقے کو سپرد آتش کر دیا گیا تھا۔ اس آتش زنی سے مسجد اس لیے بچ گئی تھی کہ اس میں کوئی ایسی شے نہ لگی تھی جس پر آگ اثر کرتی۔ چنانچہ مسجد کو شہید کر کے اس محلے کی دوسری مسلم متروکہ زمین میں شامل کر کے فروخت کر دیا گیا۔ آج اس ''خدا کے گھر'' کی زمین پر ایک مشرک کا گھر بنا ہوا ہے۔ مشرقی پنجاب میں ایسے ہزاروں متبرک و مقدس مقامات ہماری نام نہاد مسلمانی پر نوحہ خواں ہیں۔

بیعت

مفتی صاحب پہلے حضرت مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے اور ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا ابوالسعد احمد نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میاں والی سے بیعت ہوئے۔

ایک خاص رائے

حضرت مولانا علامہ محمد عالم آسی امرت سری عربی ادب کے مسلم استاذ اور عربی گرائمر کے تو امام و مجتہد تھے۔ امرت سر کے اکثر علما اُن کے خرمنِ فیض کے خوشہ چین رہ چکے ہیں۔ راقم نے 1943ء میں آپ سے دریافت کیا کہ اس وقت امرت سر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں کون سے مولوی صاحب ہیں جو درس نظامی خوب اچھی طرح پڑھا سکتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

مفتی عبدالرحمٰن۔

اخلاقِ حسنہ

مفتی صاحب زمانہ طالب علمی سے لے کر آخر دم تک نہایت منکسر مزاج، ہمدرد خلائق، صاف دل اور پاک نظر رہے۔ عادات وخصائل کے لحاظ سے بزرگان سلف کا صحیح نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی کے چند سبق آموز واقعات درج ذیل ہیں:

◆ ۱ آپ جب مدرسہ نعمانیہ لاہور میں پڑھتے تھے تو ایک طالب علم کو ہیضہ ہوا۔ اس کے کمرے کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور بظاہر اس بے چارے کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ اسہال سے اُس کے کمرے میں نجاست جمع ہو گئی۔ مفتی صاحب نے یہ حالت دیکھی تو فوراً اس کی تیمارداری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے کمرے کو صاف کیا پھر مریض کے کپڑے بدلوائے اور دوا لا کر کھلائی۔ جب تک وہ صحت یاب نہ ہوا اس کی خدمت کرتے رہے۔ یہ طالب علم جب تندرست ہو گیا تو احسان کا بدلہ چکانے کے لیے اپنا کرتہ آپ کی نذر کیا۔ اس کے سخت اصرار کے باوجود آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ یہ تمہیں کو مبارک رہے۔ مجھے تو صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اور میں اساتذہ وطلبہ کی اس لیے خدمت کرتا ہوں کہ خداوند کریم ان کی دعاؤں کے طفیل مجھے دولت علم سے مالا مال کرے۔ مجھے دنیوی مال کی ضرورت نہیں۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

◆ ۲ کوچہ ربابیاں چوک پاسیاں امرت سر کے کسی صاحب کا بچہ بعارضہ چیچک فوت ہو گیا۔ مرض کا حملہ شدید تھا۔ آبلوں کی وجہ سے پیپ کا سیلان اور سخت تعفن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا۔اس حالت میں پیشہ ور غسال میت کو غسل دینے سے انکار کر گئے۔متوفی کا والد مفتی صاحب کے پاس آیا اور رو کر ماجرا کہہ سنایا۔مفتی صاحب سنتے ہی آب دیدہ ہو گئے اور اپنے صاحب زادے حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کو ساتھ لے کر ان کے گھر پہنچے اور میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دے کر کفنایا۔ واپسی پر متوفی کے والد نے دس روپے پیش کیے آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ موت کا معاملہ ایک دن میرے ساتھ بھی ہونے والا ہے مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہو گا۔شاید حق تعالیٰ اسی عمل کے طفیل مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور بے گور و کفن نہ رہوں۔

ع وہ خردمند ہے جو گور کو مسکن سمجھا

◆ ۳ آپ کی استغنا، توکل علی اللہ اور حفظ ناموس شریعت کا یہ عالم تھا کہ امرت سر شہر کے علاوہ اطراف و اکناف سے لوگ فتویٰ لینے آتے اور آپ بلا معاوضہ تحقیقی جواب لکھ دیتے۔آپ نے فتویٰ فروشی سے عمر بھر اجتناب کیا۔آپ کے پاس جس کثرت سے طالبانِ فتاویٰ آتے تھے اگر ''رسمی ملا'' ہوتے تو ہزاروں روپے سالانہ پیدا کر لیا کرتے۔لیکن آپ عسرت کی زندگی کو ایسی حریصانہ زندگی پر ہمیشہ ترجیح دیتے رہے۔

ے کرتے تھے جمع دولت دنیا کو جو حریص
ساتھ اپنے لے گئے کہو مال جہاں سے کیا؟

◆ ۵ آپ کے تلامذہ میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی تھی جو غریب اور فاقہ مست تھے جن سے مفتی صاحب کو کبھی کسی قسم کی مالی خدمت کی توقع نہ تھی۔لیکن بعض اچھے خوش حال لوگ بھی ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے مگر آپ کی قناعت کا یہ حال تھا کہ نہ کبھی کسی سے کوئی فرمائش کی نہ ہی کسی قسم کی امید رکھی۔ راقم تین سال تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور آپ اس وقت دائم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الرض ہو چکے تھے، تقریباً روزانہ ہی راقم کے والد مغفور کے مشورے سے دوائیں کھاتے رہتے اور ہمارے ہی دواخانہ سے خریدتے۔ اس طویل عرصے میں انہوں نے بحق استادی ایک دفعہ بھی کوئی معمولی سے معمولی شے بلا قیمت نہ لی ادھر سے کئی بار خود پیش کش کیا گیا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

انجمن نعمانیہ امرت سر کی طرف سے آپ کے لیے جو وظیفہ مقرر تھا، اسی پر قانع وشاکر تھے۔

گلشن دہر میں شبنم کی طرح قانع ہوں
قطرۂ آب ملا، تو اسے دریا سمجھا

ایسے صابرین وقانتین کا اُخروی انجام اور مقام قرآن پاک میں یوں بیان ہوا ہے:

وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

ترجمہ: ''اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ سلامتی ہو تم پر بہ سبب اس کے کہ صبر کیا تم نے سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔''

اقوال وملفوظات

آپ کی زبان فیض ترجمان سے نہایت کار آمد علمی باتیں صادر ہوتی رہتی تھیں۔ اس وقت جو ذہن میں ہیں درج ذیل کرتا ہوں۔

1 تلامذہ کو اکثر نصیحت فرماتے:

''اللہ تعالیٰ اپنا نور گندے ظرف میں نہیں ڈالتا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ اس لیے طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ صالح متقی اور عامل بالسنۃ ہونا چاہیے تاکہ ان کا ظرف پاک رہے اور اللہ تعالیٰ اپنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نور (علم) ان کے دلوں میں ڈال دے۔"

- توراۃ و انجیل مصدق بھی تھیں اور مبشر بھی، اور قرآن مجید صرف مصدق ہے مبشر نہیں۔ ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہونے والا۔ (۱)
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ وعظ کہ یا بنی (۲) اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدّقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد...... اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد صرف ایک رسول (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کی بشارت دی ہے اس آیت میں ختم نبوت کا صریح ارشاد ہے۔ (۳)
- تزکیہ نفس کی اہمیت اور اس کے لیے شیخ کامل کی ضرورت کے متعلق یوں ارشاد فرماتے:

"یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ" کے بعد "وَ یُزَکِّیْهِمْ" کو "وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" پر مقدم فرمایا کہ تعلیم و تعلیم حکمت سے بھی تزکیہ نفس ہے اور یہ شیخ کی صحبت میں بیٹھنے سے ہوتا ہے۔"

علم (۴) آموزی طریقش قولی است

حرفہ آموزی طریقش فعلی است

---

(۱) قرآن مجید میں چار جگہ آں حضرت ﷺ پر لفظ "مبشر" کا اطلاق ہوا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا۔ (احزاب ۴۶ و فتح ۹)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا۔ (اسرائیل ۱۰۹ و فرقان ۵۷۔ "فیض")

(۲) اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

(۳) یہ استدلال نہایت قوی ہے۔ فیض

(۴) علم سیکھنے کا طریقہ قولی اور صنعت و حرفت کا فعلی ہے۔ فقر صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے نہ زبان کام دیتی ہے اور نہ ہاتھ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فقر خواہی آں بہ صحبت قائم است
نہ زبانت کار مے آید نہ دست

(خواجہ عبید اللہ احرار)

تلامذہ

حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور خاص طور پر اس لیے بھی کہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے والوں میں زیادہ تر صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان کے لوگ ہوتے تھے جو حصول علم کے بعد اپنے علاقوں کو لوٹ جاتے تھے۔ یہاں صرف چند مشہور و ممتاز شاگردوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو راقم کو معلوم ہیں:

مولانا ابو البیان محمد داؤد فاروقی مرحوم خلف الرشید حضرت مولانا نور احمد مرحوم بانی مدرسہ نعمانیہ، مولانا محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں، استاذ القرا حافظ قاری کریم بخش مدرس مدرسہ تجوید القرآن چوک فرید امرت سر مقیم حال کرشنا گلی لاہور (یہ بزرگ راقم کے استاد ہیں۔ خداوند کریم نے ان سے قرآن کی بہت خدمت لی ہے۔ آج تک ہزارہا طلبہ کو قرآن حفظ کرا چکے ہیں) استاذ القرا حکیم مولوی حافظ محمد اسماعیل امرت سری بانی انجمن حمایت القرآن لاہور، حافظ قاری فضل کریم امرت سری بانی مدرسہ تجوید القرآن بازار کندی گراں لاہور، مولانا حافظ قاری سید عطا منعم معروف بہ ابوذر بخاری خلف الرشید سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا صوفی مفتی محمد شریف مقیم، حال کرشنا گلی لاہور (موصوف امرت سر سے آمدہ علماء میں سے بہت بڑے علمی بزرگ ہیں) مولانا صوفی نور محمد مولوی فاضل، فاضل دیوبند مفتی علاقہ بٹیر (ہری پور ہزارہ)، مولانا فخر الدین غورغشتی ابن شیخ الحدیث صوفی پیر نصیر الدین غورغشتی، جناب حکیم شمس الدین حکیم حاذق صدر آیورویدک اینڈ یونانی طبی انجمن پاک پٹن ضلع منٹگمری (حکیم موصوف راقم الحروف کے بڑے بھائی ہیں)، مولانا محمد عثمان مہتمم مدرسہ عثمانیہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شمس آباد حضرو۔

اولاد

مفتی صاحب کے تین صاحب زادے ہیں بڑے مولوی حافظ عبید الرحمٰن امام مسجد ایم او کالج لاہور، دوسرے مولوی حافظ قاری حبیب الرحمٰن مولوی فاضل مدرس اسلامیہ سکول راولپنڈی، تیسرے حافظ الطاف الرحمٰن جو راقم کے ہم عمر اور ہم سبق ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد سے انارکلی لاہور میں مقیم ہیں۔

دین سے عقیدت

حضرت مفتی صاحب نے اپنے تینوں صاحبزادوں کو یکے بعد دیگرے حفظ قرآن کے لیے قاری کریم بخش کے سپرد کیا اور حفظ قرآن کے درس سے فارغ ہونے کے بعد درس نظامی کی تعلیم دیتے ایک دن آپ کے عقیدت مند چودھری غلام محمد نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی اولاد کو دینی تعلیم کی بجائے دنیوی تعلیم دلائیں کیوں کہ زمانہ بدل رہا ہے دین اور دین داری کی قدر و منزلت کم ہو رہی ہے اس حالت میں دین کے عالموں کا جو حال ہوگا وہ آپ پر واضح ہے۔ یہ سن کر مفتی صاحب نے فرمایا:

"میں نے تو اپنی قبر اور عاقبت میں جواب دہی کے لیے اولاد کو دینی علم کی طرف راغب کیا ہے اگر قبر ہی میں پرسش ہوگئی کہ اولاد کو کس طرف لگا آئے ہو؟ تو کس منہ سے کہوں گا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن انگریز کی طرف!!!

اور ایسے وقت جب کہ علمائے دین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان پر طرح طرح کے طعن کیے جاتے ہیں۔ دین کی تعلیم حاصل کرنا کرانا جہادِ اکبر ہے۔ باقی رہا رزق کا معاملہ، تو اس کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔"

جان دی ہے جس نے تجھ کو نان بھی دے گا وہی
جو تیرا خلّاق ہے ناسخ وہی رزّاق ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصانیف

مفتی صاحب مرحوم کا فطری رجحان تدریس وافتاء کی طرف تھا اس لیے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اسی میں صرف کر دیا۔ تالیف وتصنیف کی جانب طبعی رجحان نہ تھا لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے کہ آپ کو تالیف وتصنیف کے لیے مجبوراً وقت نکالنا پڑتا چنانچہ چند کتابیں آپ نے اپنی یادگار چھوڑی تھیں، جو کہ اپنے علمی انداز بیان کے لحاظ سے خوب تھیں، اس وقت جن کا علم ہو سکا ان کے نام درج ذیل ہیں:

الطلاق الدفعی فی الطلاق الرجعی۔ مولوی عبدالحفیظ بریلوی مرحوم جو کچھ عرصہ امرت سر مقیم رہے تھے اور پھر آگرے کی جامع مسجد کے خطیب ہو گئے تھے تقسیم کے بعد پاکستان آ کر 1958ء میں ملتان فوت ہوئے ہیں انہوں نے مفتی صاحب کے ایک فتویٰ پر کچھ اعتراض کیے تھے ان کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

"احکام الاحبار باحکام الاخبار" اس رسالہ میں آیت "ما ادری" پر مولوی صاحب مذکور سے اہم علمی بحث ہے۔

"رفع السلام عن شیخ الاسلام" یہ رسالہ امرت سر میں نو وارد مولوی عنایت اللہ بریلوی (جو ان دنوں سانگلہ ہل میں مقیم ہیں) کے مولانا تھانوی پر اعتراضات کے جواب میں ہے۔

"آکل النصب خبیث لیس من اھل الحدیث" یہ رسالہ علمائے اہل حدیث کے بعض عقائد کے خلاف ہے۔

ایک رسالہ علامہ عنایت اللہ مشرقی کے خلاف بھی لکھا تھا جس کا نام یاد نہیں۔

سجدۂ تعظیمی

ایک دن حرمتِ سجدۂ تعظیم پر گفتگو فرما رہے تھے کہ برادرم حکیم شمس الدین نے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول پیش کیا جس میں وہ سجدہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تعظیمی کو جائز تصور فرماتے ہیں مفتی صاحب نے بڑی متانت سے اس کا جواب یوں دیا:

اول: یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ یہ قول حضرت محبوب الٰہی ہی کا ہے کیوں کہ جن کتابوں میں ایسے اقوال درج ہیں ان کی ثقاہت ثابت نہیں۔

دوم: اگر واقعی حضرت محبوب الٰہی کا قول بھی ہو تو شریعت مطہرہ اس کو رد کردے گی

سوم: آج کل لوگ غلط فہمی میں پڑکر اولیاء اور ائمہ دین اسلام کو الگ الگ سمجھنے لگے ہیں حالاں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ و دیگر ائمہ دین خود اولیاء بل کہ اولیاء کے سردار ہیں اور ان کے بعد کے تمام ولی ان کے مقلد ہوئے ہیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ محبوب الٰہی جن کے مقلد ہیں ہم بھی ان کی تقلید کریں اور محبوب الٰہی کے اقوال کے نسبت ان بزرگان دین کے اقوال ہم تک بڑی صحت سے پہنچے ہیں اور قرآن وحدیث سے مطابقت رکھتے ہیں

چہارم: بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ آج کل پیر کے قول پر قرآن کو پرکھا جاتا ہے قرآن پر پیر کے قول کو نہیں پرکھتے۔

مفتی صاحب کے ارشادات اتنے واضح ہیں کہ ان پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں اور ہر ذی فہم کے لیے قابل قبول ہیں۔

رحلت

آپ عرصے سے دائم المرض رہتے تھے لیکن کام بہ دستور کرتے رہے آخر شروع 1947ء میں صاحب فراش ہو گئے۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوتا رہا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بل کہ طبیعت کم زور ہوتی چلی گئی ادھر مارچ 1947ء میں امرت سر میں شدید قسم کے ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے قتل وغارت اور آتش زنی کی وارداتوں کے سوا لوگوں کے لیے اور کوئی مشغلہ ہی نہ رہ گیا تھا اہل علم وحلم کے لیے ایسی ناپاک فضا میں رہنا بہت دشوار ہو گیا ان حالات میں علاج معالجہ بھی صحیح طور پر نہیں ہوسکتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھا۔اس لیے بعض عقیدت مندوں نے مشورہ دیا کہ فی الحال آپ اپنے آبائی گاؤں تشریف لے جائیں چنانچہ آپ اواخر شعبان 1366ھ میں امرتسر سے اپنے گاؤں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر طبیعت اور بھی خراب ہوگئی۔

آخر اس پیکر علم وعمل بزرگ انسان نے ٹھیک اس دن جب کہ پاکستان معرض وجود میں آیا یعنی 27 رمضان المبارک بروز جمعرات 1366ھ بمطابق 14 اگست 1947ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور اپنے والد ماجد کی قبر کے دائیں پہلو میں دفن ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں نے ''عبد رحماں درجناں رفتہ'' (۱۳۶۶ھ) اور ''ہوا مفتی مقیم خلد'' (۱۳۶۶ھ) آپ کی وفات کی تاریخیں نکالیں مفتی صاحب آج اس دنیاے فانی میں موجود نہیں لیکن تلامذہ و متوسلین کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی۔

بعد از وفات تربتِ مادر زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ما است

(ماہ نامہ فیض الاسلام، راول پنڈی ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۹ء)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری

حضرت مولانا ترنم علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی اور ان کے کمالات علمی و خدمات دینی بلاشبہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ لاکھوں ایسے افراد آج بھی موجود ہیں جنہوں نے ان کی شعلہ نوائیاں اور بارگاہِ رسالت مآب (ﷺ) میں ترنم ریزیاں سماعت کر کے اپنے قلوب کو منور کیا ہے اور ہزاروں ایسے خوش قسمت موجود ہیں جنہوں نے ان کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہو کر گناہوں سے سچی توبہ کی اور صحیح معنوں میں مسلمان بن گئے۔ کتنے ہی ایسے سعادت مند موجود ہیں جو ان کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں وہ اہلِ علم ابھی بقید حیات ہیں جو مولانا کے شریک کار رہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو ہمہ وقت ان کی صحبت میں رہے۔

لیکن یہ سب کچھ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا محترمی جناب نذیر احمد اختر صاحب آنریری جنرل سیکرٹری "انجمن تبلیغ الاحناف" نے اس بے مثل اور مخلص مبلغ اسلام کے حالات زندگی مدون کیے جانے کا شدید احساس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں حضرت مولانا ترنم کے سوانح لکھوں، جو ان کے بارھویں عرس کے موقع پر شائع کیے جائیں گے۔

مولانا ترنم نور اللہ مرقدہٗ میرے ہم وطن (سابق و حال)، ہم پیشہ اور ہم مسلک ہونے کے علاوہ میرے ایک محترم بزرگ کے رفیق خاص تھے، اس لیے ان پر کچھ لکھنا میرا حق تھا۔ لہٰذا میں ان کے متعلق جو کچھ بوثوق جانتا ہوں اور جس قدر مواد میرے سامنے ہے اور جو کچھ ثقہ حضرات سے معلوم ہوا، اسے ترتیب دے کر حضرت اختر صاحب کے سپرد کر دیا ہے مگر ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا مرحوم و مغفور کے وہ احباب و تلامذہ، عقیدت مند اس طرف متوجہ ہوں جو مولانا کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

اس مقالے میں مندرج بعض اہم واقعات محترمی و مکرمی جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ "مہر و ماہ" لاہور، مولانا کے برادر بزرگ جناب گل محمد صاحب اور مولانا کے فاضل شاگرد آغا طالب یزدانی صاحب کے توسل سے حاصل ہوئے۔ میں ان حضرات کا ممنون ہوں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

محمد موسیٰ عفی عنہ

۲۷ ربیع الآخر ۱۳۹۱ھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت مولانا حکیم غلام محمد ترنم امرت سری رحمۃ اللہ علیہ آقائے نامدار حضور نبی کریم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اپنے آقا و مولیٰ کی صفت وثنا اور تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر رکھا تھا وہ اسلام کی سر بلندی اور دستور اسلامی کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ معاشرے کی خرابی اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر ان کا دل داغ داغ تھا۔ وہ اعلیٰ اخلاق و عادات کے حامل اور خادم ملک وملت ہونے کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ انسان تھے۔ وہ مجسمہ غیرت، نعت گو شاعر، بے باک خطیب اور اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان جیسے مخلص، خادم اسلام روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود مینارِ نور کی حیثیت رکھتا تھا۔ خلوص و ایثار اور علم و عمل کے اس پیکر جامع کے مختصر حالات زندگی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں، جو ان کو اور ان کے نیک کاموں کی یادوں کو زندہ رکھنے کے علاوہ اس دور کے اکثر علماء کے لیے دعوت فکر و عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ابتدائی حالات

مولانا ترنم مغفور و مبرور امرت سر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں جناب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عبدالعزیز مرحوم کے ہاں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا پروفیسر عبدالرحیم[1] مرحوم (المتوفی ۱۹۱۷ء) اور فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی عبدالصمد خاں کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء) سے حاصل کی۔ ازاں بعد قالین بافی اور شال بافی کے فن سیکھے اور اس میں خوب خوب کمال حاصل کیا اور ڈیزائنر ہو گئے۔ چند سال اسی فن کو ذریعہ معاش بنائے رکھا مگر قدرت نے انہیں کسی اور مقصد کے لیے پیدا کیا تھا۔ چنانچہ ان کی فطری مناسبت اور طبعی رجحان نے علم حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔ مولانا اس نیک اور عظیم مقصد کے لیے جناب علامہ محمد حسین عرشی امرت سری کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے علمی مشاغل کی کثرت کے باعث اظہار معذوری کرتے ہوئے انہیں اپنے استاذ گرامی حکیم شعراء حکیم فیروز الدین فیروز طغرائی (المتوفی ۱۹۳۱ء) کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔

حضرت طغرائی سے اس ذہین و فطین طالب علم نے بہت جلد منشی فاضل کا نصاب پڑھ کر امتحان دے دیا اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اگلے ہی سال ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا اور فن شاعری میں فاضل طغرائی سے باقاعدہ استفادہ و استفاضہ جاری رکھا۔ جانشین طغرائی علامہ عرشی نے ان کا تخلص ترنم تجویز کیا جسے استاذ گرامی نے بھی پسند کیا۔ میں نے علامہ عرشی صاحب سے ترنم تخلص تجویز کرنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ مولانا سے چند روز قبل صوفی غلام مصطفیٰ حضرت طغرائی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے اور ان کا تخلص ان کے متبسم چہرے کے پیش نظر ''تبسم'' رکھا گیا۔ ''تبسم'' کے وزن پر مولانا کے لیے ''ترنم'' تجویز کیا گیا۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی روایت ہے کہ ترنم صاحب طغرائی کی خدمت میں پہنچنے سے قبل ''اصغر'' تخلص کرتے تھے۔

طغرائی مرحوم کے فیض صحبت نے مولانا کی طبیعت میں جلا پیدا کر دی اور ان

---

(۱) مولانا عبدالرحیم خالصہ کالج امرت سر میں عربی کے پروفیسر تھے اور مولانا ترنم کے بہنوئی تھے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے شوق حصول علم میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ مولانا عربی علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف ہوگئے۔ مختلف اساتذہ سے اکتسابِ علم کے بعد عربی زبان کے ادیب اریب استاذی حضرت مولانا علامہ محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) کی خدمت میں حاضر ہوکر عربی ادب کی کتابیں پڑھیں اور پھر مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ دینی علوم کی تحصیل کے بعد طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس فن شریف کی کتب حکیم حاجی محمد علی مستند طبیہ کالج دہلی مقیم حال گوجرانوالہ، حکیم محبوب عالم مرحوم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں۔ لاہور کے نام ور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد (المتوفی ۱۹۵۰ء) سے اصولِ مطب سیکھے اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد پیدا کر لی۔ غرض کہ اس ذہین و طباع طالب علم نے حصولِ علم کے مراحل اس سرعت سے طے کیے کہ حیرت ہوتی ہے۔

مولانا ترنم کا دل سید الانبیاء آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق حقیقی کی لازوال دولت سے مالا مال تھا۔ اس لیے انہوں نے تحصیل علم کے بعد نعتیہ شاعری کی طرف توجہ دی اور ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے عوام میں متعارف ہوئے لیکن یہ شغل عارضی و وقتی ثابت ہوا۔ فطری صلاحیت و طبعی مناسبت نے پھر اصل منزل کی طرف رہنمائی کی اور وعظ وخطابت کے میدان میں لا کھڑا کیا۔

خطیب ومبلغ

چند ہی سالوں میں مولانا ترنم علیہ الرحمۃ ایک شعلہ بیان مقرر اور بے مثل مبلغ اسلام بن کر اطراف واکناف پاک و ہند میں مقبولیت کا درجہ پا گئے۔ امرت سر کے عوام وخواص ان کے مواعظ حسنہ سننے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ مولانا امرت سر کی مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ شہر کے کسی علاقے کی بھی مسجد میں جا کر خطبہ دینا شروع کرتے، لوگ جوق در جوق وہیں پہنچنے لگتے۔ امرت سر کی کئی تنگ، بوسیدہ اور قریباً غیر آباد مسجدیں صرف ان ہی کی سحر بیانی کے باعث بڑی بڑی جامع مسجدوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں تبدیل ہوگئیں۔ جامع مسجد حنفیہ رانی باز ار شریف پورہ اور جامع مسجد کوچہ قاصداں امرت سرکو ان ہی کے اثر وعظ کے نتیجے میں وسعت و رونق ملی۔ غرض کہ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ امرت سر میں سب سے زیادہ ہجوم ان کی مسجد (کوچہ قاصداں) میں ہوتا تھا۔ یہ مسجد تین منزلہ بن چکی تھی پھر بھی لوگوں کو گلیوں اور گردو نواح کے کوٹھوں کی چھتوں پر نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ جمعۃ الوداع کے موقع پر تو لاتعداد لوگوں کو مایوس لوٹنا پڑتا تھا۔ اس پر مولانا نے جمعۃ الوداع کا خطبہ عیدگاہ (بیرون رام باغ) میں دینا شروع کر دیا تو یہاں عید کا سا سماں نظر آنے لگا۔

خصوصیات خطابت

لب پہ ترنم کے جو ابھرا
روح میں ڈوب گیا وہ ترانہ

(ترنم)

مولانا موصوف کا تخلص اس لحاظ سے حسب حال نہیں تھا کہ دورانِ تقریر اشعار ترنم سے نہیں پڑھتے تھے۔[1] قرآنِ مجید کی آیات بھی سادہ طریق پر تلاوت فرماتے۔ ان کی خطابت کی بڑی خوبی ان کا بے پناہ خلوص اور عشق رسالت مآب ﷺ تھا۔ دیگر خوبیاں یہ تھیں کہ نہایت روانی کے ساتھ بے تکان گھنٹوں بولتے اور موتی رولتے تھے۔ انہوں نے بقدر استعداد سید وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہر طبقہ و پیشہ کے لوگوں کی نفسیات، احساسات، عادات و خواہشات اور رسوم و رواج کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ مولانا یہ جانتے تھے کہ غرباء کی کیا کیا ضرورتیں ہیں اور ان میں تربیت کی کمی کے باعث کیا کیا خامیاں ہیں۔ امراء کی اسلام بیزاری اور ان کی چیرہ دستیوں سے خوب آگاہ تھے۔ اس دور کی تعلیم یافتہ خواتین کی اسلام سے دوری اور پرانی وضع کی مستورات کے

(۱) مولانا کے اسی عادت کے پیشِ نظر حضرت استاذی علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر ذیل کہا تھا:

طریق ترنم الاشعار صعب — طویل فی طویل فی طویل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(شعروں کو بطرز ترنم ادا کرنا مشکل ہے۔ یہ راستہ بہت ہی دور دراز ہے۔)

تو ہم پرستانہ خیالات اور مشرکانہ (یا قریب بہ شرک) رسومات سے بھی پورے طور پر باخبر تھے۔ غرض کہ ہر طبقہ اور ہر پیشہ کے لوگوں کے رسم ورواج اور اچھے برے خیالات سے واقفیت رکھنے کی بناء پر معاشی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل پر ایسے سلجھے ہوئے انداز میں تنقید وتبصرہ کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی اور جب طنز کرتے تھے تو اکبرالٰہ آبادی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی تھی اور صاحبِ ذوق حضرات بے حد محظوظ ہوتے تھے۔

مشکل سے مشکل دینی مسائل کو عام فہم لفظوں اور مثالوں سے اس طرح حل کر دیتے تھے کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء حیران رہ جاتے تھے۔ خطابت پر قدرت کا یہ عالم تھا کہ ابھی ہزاروں کے مجمع کو رلا رہے ہیں اور یک بیک ہنسانے لگے ہیں۔ ایسے قادر البیان تھے کہ اگر چاہیں تو دورانِ تقریر سو بار رلائیں اور سو بار ہنسائیں۔ مگر جب واقعات شہادت سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے تو خود روتے تھے اور سارے کا سارا مجمع اشک بارِ رہتا اور بہتوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ مولانا کا بیان شہادت اہل سنت و جماعت کے عقائدِ حقہ کے عین مطابق ہوتا تھا۔ اس پر بھی ایک شیعہ ذاکر نے کہا تھا کہ

"ہم ترنم صاحب کے مقابلے میں جھک مارتے ہیں۔"

حضرت ترنم جب مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا پر تقریر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ مضامین عرش سے اتر رہے ہیں اور بعض اوقات ان پر ایسی رقت طاری ہوتی کہ آنسو گھنی داڑھی میں سے بہہ کر قمیص کو تر کر دیتے تھے اور سامعین یہ محسوس کرتے تھے کہ مولانا وجد کی حالت میں ہیں۔

وعظ وتبلیغ کے علاوہ مولانا ترنم مرحوم مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ اس لیے ہر شخص کی زبان پر مولانا کا نام جاری رہتا تھا۔ مولانا ترنم علیہ الرحمۃ کی اسی شان مقبولیت کے پیش نظر مولانا ظفر علی خاں نے کہا تھا ؎

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا

درخشاں اس کے ہالے ہیں مسلماناں امرت سر

ذریعہ معاش

مولانا کا ذریعہ معاش پہلے تو قالینوں کے ڈیزائن بنانا تھا۔ بعد میں درس و تدریس اور طبابت ہو گیا۔ مسلم ہائی سکول شریف پورہ امرت سر میں اسلامیات کے مدرس تھے اور فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے مگر آپ کے مطب کی حیثیت ہمیشہ فری شفا خانہ جیسی ہی رہی۔ رقم دینے والے کم آتے تھے۔ خطبہ جمعہ بلا معاوضہ دیتے تھے۔

ملی و مسلکی خدمات

قومی، ملی اور مسلکی خدمات انجام دینے میں مولانا ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ مسلمان نوجوانوں کو تعلیم کے میدان میں پیچھے دیکھ کر بہت کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ امرت سر میں ایسا کوئی ادارہ نہیں تھا، جہاں السنہ شرقیہ کے امتحانات (منشی فاضل وغیرہ) کی تیاری کرائی جاتی ہو اور غریب مسلمانوں کے لیے یہی ایک ذریعہ تھا۔ میٹرک پھر بی۔ اے کرنے کا۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے غالباً ۱۹۳۱ء میں "جامعہ اسلامیہ" کی بنیاد اس طرح رکھی کہ سکتری باغ (امرت سر) میں درختوں کے سایہ میں طلبہ کو پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر کٹڑہ رام گڑھیاں کو چہ مست کھوہ[1] میں میرے ایک بزرگ کے مکان کی بیٹھک میں سلسلہ تدریس جاری رکھا۔ حتیٰ کہ چند برس ہی میں اس جامعہ نے بڑی ترقی کر لی اور بالآخر اس کو ہال بازار امرت سر میں منتقل کر دیا گیا۔ اس جامعہ کی بدولت محنت کش غریب مسلمان نوجوانوں کے لیے یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے آسان ہو گئے اور کثیر التعداد نوجوان یہاں سے فیضیاب ہوئے جن میں سے اکثر آج مناصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ جامعہ اسلامیہ کا جب کام بہت بڑھ

(۱) مولانا کی سکونت اسی محلہ میں تھی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گیا تو دیگر مدرسین کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں جن میں سے دو تین تو مولانا کے شاگرد ہی تھے اسی جامعہ کے پہلے طالب علم جناب محمد سعید شیدا مرحوم (مولانا ترنم کے بھانجے) پرنسپل بنا دیئے گئے تھے لیکن مولانا خود باقاعدگی سے پڑھاتے رہے۔

مولانا کو اپنے مسلک سے جو والہانہ عشق تھا اس کی مثال بھی کم ملے گی۔ امرت سر کے احناف نے ''انجمن تبلیغ الاحناف'' قائم کر رکھی تھی۔ مولانا اس کے روح و رواں تھے اس انجمن کے زیر اہتمام سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک ہر سال مسجد میاں جان محمد ہال بازار میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ عرس مقدس کے سہ روزہ جلسوں میں مقامی علماء کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے جلیل القدر علماء و فضلاء اور مشائخ عظام شمولیت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام کو مستفیض فرماتے تھے۔ اس عرس مبارک کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اس میں شرکت فرمانے والے علماء میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

امیر ملت حضرت حافظ الحاج سیدنا جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ العرفا حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ یورپ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی، حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری، ابوالحامد حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، بلبل بستان رسالت حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاولپوری، مناظر اسلام مولانا حکیم قطب الدین جھنگوی، حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، حضرت مولانا عبدالمجید قادری والد ماجد مولانا عبدالحفیظ حقانی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اس عرس میں ایک دفعہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کے صاحب زادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شمولیت فرما کر مسلمانانِ امرت سر کو اپنی فاضلانہ تقریر سے مستفید فرمایا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی اور حضرت مولانا محمد سردار احمد محدث لائل پوری (رحمہما اللہ تعالیٰ) بھی اس عرس میں شرکت فرماتے رہے مگر اس وقت یہ حضرات جوان علماء میں شمار ہوتے تھے۔

ایسا عظیم الشان تبلیغی جلسہ میں نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ ایک خاص قسم کی روحانی و نورانی محفل ہوتی تھی۔ اس عرس مبارک کے جلسوں میں امرت سر کے مسلمانوں کو دوقومی نظریہ کی صداقت بتا کر تحریک پاکستان کی تائید وحمایت کے لیے تیار کیا گیا۔ ۴۶-۱۹۴۵ء میں اس عرس شریف کے موقع پر صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، حضرت امیر ملت علی پوری اور حضرت محدث کچھوچھوی (رحمہم اللہ) نے تحریک پاکستان کے حق میں جو مدلل اور پر مغز تقریریں کی تھیں، ان کے بعض حصے ابھی تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں اور اچھی طرح یاد ہے کہ ان بزرگوں کی تقاریر نے امرت سر کے کانگرسی اور احراری مولویوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔

مولانا عبدالحفیظ بریلوی مرحوم بھی ان حضرات کی دعوت پر امرت سر تشریف لا کر قیام پذیر رہے اور انہوں نے بڑی علمی خدمات سرانجام دیں۔ اسی انجمن نے دارالعلوم حنفیہ رضویہ کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح ۲/اپریل ۱۹۴۵ء کو حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی نے کیا۔ اس مدرسے میں مولانا امین الدین بدایونی مرحوم اور مولانا عنایت اللہ (سانگلہ ہل) تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ انجمن لاہور میں قائم کر دی گئی، جس کے زیر اہتمام قلعہ گوجر سنگھ میں ایک مدرسہ تعلیم القرآن جاری ہے اور ہر سال مسجد مائی لاڈو میں عرس امام اعظم رضی اللہ عنہ منعقد ہوتا ہے مگر امرت سر والی شان کہاں؟ عرس امام اعظم اور انجمن تبلیغ الاحناف پر ان شاء اللہ ایک علیحدہ مقالہ لکھا جائے گا جس میں وہ تمام واقعات آ جائیں گے جو یہاں بخوف طوالت لکھے نہیں گئے۔

خان محمد شاہ رئیس اعظم امرت سر (المتوفی ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء) نے ایک عظیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الشان سرائے تیار کرائی تھی، جس کی مثال پورے متحدہ پنجاب میں نہیں تھی۔ مگر افسوس کہ ان کے اخلاف نے اس امانت کو بڑی آسانی سے فروخت کر دیا۔ لہٰذا مسلمان مسافروں کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مولانا نے ۱۹۴۵ء میں اپنی تقریروں میں سرائے اور ایک عظیم فری یونانی شفاخانہ کی ضرورت کی طرف عوام کو متوجہ کرنا شروع کر دیا تھا اور شہر کے سب مسلمان اس کام کے لیے تیار ہو چکے تھے کہ ملک تقسیم ہو گیا۔

مولانا ترنم مغفور و مبرور نے مختلف سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا، خصوصاً تحریک پاکستان میں مثالی کردار ادا کیا۔ اپنی شعلہ بار تقریروں کے ذریعے مسلمانوں کے خفتہ جذبات کو بیدار کر کے تحریک پاکستان کا ہم نوا بنایا۔ ۱۹۳۹ء میں طبی کانفرنس سے منسلک ہوئے اور آخر دم تک اس میں شامل رہ کر ترقی طب کے لیے کوشاں رہے، ایک مدت تک پاکستان طبی کانفرنس کے شعبہ نشر و اشاعت کے سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔

لاہور میں آمد

تقسیم ملک کے بعد مولانا ترنم لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے اور یہاں ان کے تبلیغی مشاغل میں اور بھی اضافہ ہو گیا، جنہیں بڑی ہمت اور کمال استقلال سے نباہتے رہے۔ طبابت کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ جامعہ اسلامیہ کو بھی ریلوے روڈ پر جاری کیا جو رفقائے کار کے بچھڑ جانے کے باعث ترقی نہ کر سکا اور بالآخر ختم ہو گیا۔ لاہور پہنچنے کے ساتھ ہی مولانا نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں گاہے گاہے وعظ و درس دینا شروع کر دیا۔ پھر مسجد حنفیہ موری دروازہ میں خطابت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔

خطیب جامعہ سول سیکرٹریٹ

حضرت مولانا نے بعض عقیدت مندوں کی خواہش پر مسجد سول سیکرٹریٹ میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خطابت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ یہ مسجد بہت چھوٹی سی تھی۔ جائے تنگ و مرد ماں بسیار کا منظر پیش کرنے لگی۔ نمازیوں کو دھوپ میں بیٹھنا پڑتا۔ مولانا لوگوں کی اس تکلیف سے پریشان رہتے لیکن کچھ عرصہ بعد یہ پریشانی رفع ہونے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اس مسجد کی تعمیر جدید اور توسیع کے بارے میں مولانا کے ایک مخلص (م، ص خورشید) کا بیان ملاحظہ ہو:

''سیکرٹریٹ کی مسجد ان دنوں بہت چھوٹی تھی۔ آپ کا وعظ سننے کے لیے لوگ دور دراز سے آتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں لوگوں کو باہر دھوپ میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ اس وقت کے گورنر سردار عبدالرب نشتر جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اتفاق سے انہیں جہاں جگہ ملی، وہاں دھوپ کی تمازت تیز تر تھی، مولانا نے موقع غنیمت جانا اور گورنر کی رگ حمیت چھیڑ دی۔ گورنر نے دفتر جا کر مسجد کی توسیع کے لیے بیس ہزار روپے کی منظوری دے دی۔''

''مولانا کی کوشش سے الحاج محمد دین پروپرائٹر نیشنل فین فیکٹریز اور حاجی کریم بخش اینڈ سنز نے بھی مسجد کی تعمیر کے لیے عطیات دیئے۔ ایک جمعہ کے روز سیکرٹریٹ کے قریب ایک صاحب ثروت کی کار خراب ہوگئی اور وہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں آ گئے۔ مولانا وعظ فرما رہے تھے ان پر وعظ کا اس قدر اثر ہوا کہ دوسرے دن اس نوجوان چودھری منظور احمد ساہی نے مولانا کے ذاتی نام پر دس ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا۔ مولانا اس وقت نہایت پریشانی اور مفلسی میں دن گزار رہے تھے اگر چاہتے تو یہ رقم اپنے مصرف میں لے آتے، مگر آپ نے ایسا ہرگز نہیں کیا بلکہ وہ چیک مسجد کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ چودھری صاحب نے مولانا کے اصرار پر مبلغ پانچ ہزار روپے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیے۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر مسجد نبوی کی طرز پر شروع کی گئی۔ مسجد کا سنگ بنیاد مولانا سے رکھوایا مگر مقام تاسف ہے کہ جامع مسجد سول سیکرٹریٹ کی تاریخ بنیاد جو تحریر کی گئی ہے وہاں مولانا کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ مسجد کمیٹی اور عوام کی بے حسی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"(۱)

اس مسجد میں مولانا جس جرات و بے باکی سے ملکی و ملی مسائل اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ بڑے بڑے افسروں اور وزیروں تک کی موجودگی میں کلمہ حق کہتے تھے۔ مداہنت سے بالکل نا آشنا تھے۔ بسا اوقات ان کی تنقید اس قدر شدت اختیار کر جاتی تھی کہ وزراء سخت گھبرا جاتے تھے۔ جو مرد قلندر ایوان حکومت میں زلزلہ خیز تقریر سے باز نہیں رہتا تھا وہ عوامی جلسوں میں کیا کچھ نہ کہتا ہوگا۔ چنانچہ مولانا کی زبان بند کرنے کے لیے الاٹمنٹوں کی بار بار پیشکش کی گئی مگر انہوں نے آبروئے فقر و قناعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آہ! جب سے اس مسجد سے اس ضیغم حق کی صدائے حق بلند ہونا بند ہوئی ہے اس کے در و دیوار اور محراب و منبر اداس، فضا خاموش اور مینار سوالیہ نشان بنے کھڑے ہیں۔

● مولانا سول سیکرٹریٹ کی مسجد کے علاوہ ہر بدھ کو مسجد محکمہ انہار پرانی انارکلی میں بھی وعظ فرماتے تھے۔ عشرہ محرم میں مسجد مائی لاڈو چیمبرلین روڈ میں شہادت کے موضوع پر تقاریر کرتے تھے۔ عیدین کا خطبہ باغ رانجھا دل محمد روڈ میں دیتے تھے۔

حق گوئی و بے باکی

مولانا ترنم جن دنوں سول سیکرٹریٹ کی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ سیکرٹریٹ میں داخل ہوتے ہی باغیچے میں صلیب پر نظر پڑتی تھی جو سنگ مرمر کی تھی اور بڑے چبوترے پر نصب تھی۔ مولانا نے خطبہ جمعہ میں اس کے ہٹائے جانے کا مطالبہ کیا اور

(۱) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ جولائی ۱۹۶۷ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قرارداد منظور کرا کے چیف سیکرٹری اور گورنر کے پاس بھجوائی مگر صدائے برنہ خاست۔ اس پر مولانا نے خطبہ جمعہ میں اعلان کیا کہ حکومت اس صلیب کو یہاں سے نہیں ہٹواتی لہٰذا آئندہ جمعہ کو میں گینتی لے کر آؤں گا اور کچھ نمازی گینتیں اور کدالیں لے کر آئیں۔ بعد از نمازِ جمعہ اس کو توڑ دیا جائے گا۔ مولانا کے اس بے باکانہ اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ اگلے جمعہ سے پہلے ہی فرنگی کی یہ یادگار اپنی جگہ سے ہٹا دی گئی۔

دولتانہ وزارت کے زمانے میں گول باغ میں عید میلاد النبی (ﷺ) کے چند اجلاس منعقد ہوئے تھے۔ صدر اجلاس گورنر ہوتا تھا۔ اردگرد وزراء براجمان نظر آتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا ترنم کو بھی تقریر کرنے کے لیے بلایا گیا۔ مولانا نے دورانِ تقریر اعیانِ مملکت پر تنقید شروع کر دی اور اتفاق کہ سامنے سے ایک ٹرک گزرا۔ مولانا نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ دیکھو ''چھکڑا'' جا رہا ہے۔ لوگوں نے حیران ہو کر دیکھا تو مولانا نے کہا کہ اس کے ڈرائیور کو میری جگہ لا کر کھڑا کر دو اور مجھے چھکڑے میں بٹھا دو۔ پھر تقریر ہوگی نہ چھکڑا چلے گا۔ اسی طرح میں دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کو ذمہ داریاں سونپ دی گئی ہیں جو قطعاً اس کے اہل نہیں۔ مولانا یہ کہہ رہے تھے اور صدر جلسہ اور وزراء کا حال دیدنی تھا۔ اس پر اسٹیج سیکرٹری کی طرف سے مولانا کو رقعہ ملا کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے مگر مولانا نے تقریر جاری رکھی۔

پنجاب کے ایک وزیر نے کسی مسلکی مسئلے پر تبادلہ خیال کے لیے لاہور کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو دعوت دی۔ سب علماء وقت پر پہنچ چکے تھے۔ مولانا ترنم اتفاقاً پانچ منٹ دیر سے پہنچے اور دیکھا کہ وزیر صاحب صوفے پر نیم دراز ہیں اور اسی ہیئت میں علماء سے محوِ گفتگو ہیں۔ مولانا یہ منظر دیکھ کر طیش میں آ گئے اور علماء کو مخاطب کر کے کہا:

''اے علماء کرام! آپ وزیر صاحب کو ''یٰسین'' سنانے آئے ہیں؟ آپ بیٹھے ہیں اور یہ صوفے پر دراز ہیں۔ یہ علماء اور علم کی توہین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے۔ اٹھو ہم ان سے کوئی بات نہیں کریں گے۔"

چنانچہ مولانا سب کو لے کر باہر آ گئے۔ وزیر صاحب نے باہر آ کر بڑی منت سماجت کی مگر مولانا نے جوشِ غیرت میں ان کی ایک نہ سنی۔

نائب صدر جمعیت العلماء پاکستان

مولانا ترنم مرحوم و مغفور ایک عرصہ تک جمعیت العلماء پاکستان پنجاب کے صدر رہے پھر مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہو گئے اور اس سلسلے میں ان کی خدمات نہایت وقیع اور قابلِ قدر ہیں۔ صدر جمعیت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) ان کی سیاسی بصیرت کے بے حد معترف تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ترنم مرحوم جمعیۃ کا دماغ تھے۔ جمعیۃ کی طرف سے پاکستان کے اسلامی دستور پر ایک مقالہ شائع ہوا تھا، جو مولانا کی ذہانت اور بالغ نظری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کتابچے کو قانونی اور علمی حلقوں میں بہت زیادہ پسند کیا گیا۔

جہاد کشمیر

مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ جب مجاہدین کشمیر کی امداد و اعانت کے لیے کمر بستہ ہوئے تو مولانا ترنم نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ یہ دونوں بزرگ فراہمی و ترسیل سامان کے علاوہ خود بہ نفسِ نفیس کشمیر کے مختلف محاذوں پر جا کر جذبہ جہاد پیدا کرنے والی تقاریر کرتے رہے اور خطرناک مورچوں تک پہنچ کر مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرنے کے علاوہ ان کی ضروریات کا جائزہ لیتے رہے۔

خان لیاقت علی خاں (سابق وزیراعظم پاکستان) نے جب بدفطرت بھارتی حکومت کو مکہ دکھایا تو حکومت کی درخواست پر مولانا ترنم مرحوم نے سرحدی دیہات میں نہایت پرجوش تقریریں کر کے عوام کے دل و دماغ کو جذبہ جہاد سے سرشار کیا۔

مولانا ابوالحسنات اور مولانا ترنم نے جمعیۃ العلماء پاکستان کے مناصب جلیلہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر فائز رہ کر گوناگوں مصائب برداشت کر کے اپنی صحت کو برباد کیا اور ہر قسم کی آلودگیوں سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین!

مگر صد افسوس کہ مولانا ترنم، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش اور مولانا ابوالحسنات قادری کی رحلت کے بعد جمعیۃ کی قیادت ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جنھوں نے ہر موقع پر سوادِ اعظم کا سودا کیا، خود بکاؤ مال مشہور ہو گئے اور سوادِ اعظم کے دینی اور ملی مسائل کو سخت نقصان پہنچایا۔ دس بارہ سال سنیوں نے ان کے ہاتھ ذلت اٹھانے کے بعد گذشتہ سال شیخ الاسلام حضرت علامہ خواجہ محمد قمرالدین مدظلہ العالی زیب سجادہ سیال شریف کو جمعیۃ کا صدر منتخب کیا۔ جس سے جمعیۃ کے تن مردہ میں جان پڑ گئی ہے اور کچھ کام بھی ہوا ہے مگر خوف کی بات یہ ہے کہ ابھی تک چند ضمیر فروش اور مفاد پرست جمعیۃ کی مجلس شوریٰ میں داخل ہیں۔ محترم صدر جمعیۃ اور دیگر اکابر کو چاہیے کہ ان کو نکال باہر کریں ورنہ انجام بخیر نہیں۔

فراستِ ایمانی اور دستورِ اسلامی

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

مولانا بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۵ء میں منعقد ہونے والی جمعیۃ کی کانفرنس کے ایک اجلاس میں اپنا مقالہ بعنوان "دستور پاکستان" پڑھا تھا جس کا آغاز درج ذیل الفاظ سے کیا ہے:

"برادرانِ ملت! پاکستان ہمارا وطن ہے، اس مملکت میں اکثریت فرزندانِ توحید کی ہے۔ مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں کہ جو دوقومی نظریہ کے معترف نہ تھے، انہیں پاکستان مطلوب نہیں تھا۔ مگر زیادہ تر وہ ہیں جو دلدادۂ پاکستان تھے اور دوقومی نظریہ کو تسلیم کرتے تھے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غیر مسلم اہلِ پاکستان میں اکثریت بنگالی ہندوؤں کی ہے جن میں سے ایک متنفس بھی دو قومی نظریہ کا قائل نہیں تھا، ان کی آرزو یہ ہے کہ پاکستان کا دستور لادینی ہو اور وہ بہ مسرت کہہ سکیں کہ بھارت اور پاکستان کا دستور یکساں نوعیت کا ہے، قائداعظم راستی پر نہیں تھے، سچائی مہاتما گاندھی کے دامن میں تھی۔''(۱)

درج بالا اقتباس یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مولانا نے آج سے پندرہ سال پہلے مشرقی پاکستان کے ہنود کے عظیم خطرے کو محسوس کر لیا تھا، جس کا افواج پاکستان نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

پھر فرماتے ہیں:

''پاکستان کے دو گوشے ہیں ایک مغربی پاکستان کہلاتا ہے۔ دوسرا خدا کرے کہ ''مشرقی بنگال'' کی بجائے ''مشرقی پاکستان کہلائے۔''(۲)

مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگوں کے اختلاف طبائع، طرزِ زندگی اور جغرافیائی حالات وغیرہ بیان کرنے کے بعد اس عظیم و مہیب خطرے کا علاج بھی بتایا ہے۔

فرماتے ہیں:

''مغربی پاکستان سندھ کی وادی اور مشرقی پاکستان ''برہم پترا'' کی پہنائی میں آباد ہے۔ ان دونوں کے درمیان بھارت حائل ہے۔ ایک بازو دوسرے سے ایک ہزار میل سے زائد فاصلے پر واقع ہے۔ از دیدہ دور ہے مگر از دل دور نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں مکانی و جغرافیائی جدائی ہے، وابستگی و پیوستگی نہیں۔ نسلی اعتبار سے مغربی ''آریائی'' ہیں، مشرقی ''دراویدی'' ہیں۔ مغربی گورے چٹے ہیں،

---

(۱) دستورِ پاکستان از مولانا ترنم شائع کردہ مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی، صفحہ ۲

(۲) دستورِ پاکستان از مولانا ترنم شائع کردہ مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی، صفحہ ۲

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشرقی کالے اور سانولے ہیں۔ مشرقی کی ثروت کا دار و مدار طلائی ریشہ (پٹ سن) پر ہے، مغربی کی دولت نقرئی ریشہ (روئی) ہے۔ مشرقی چاول اور مچھلی کا شیدائی ہے، مغربی گندم اور بکرے کا فدائی ہے۔ مغربی کی خوشی اسی میں ہے کہ اس کے سر پر صافہ ہو، کلاہ ہو، مشرقی کو سر کی برہنگی بھلی معلوم ہوتی ہے، مغربی کا غور طلب مسئلہ قلت آب ہے، مشرقی کا عقدہ لاینحل کثرت آب ہے۔ مغربی اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے فوجی ہے، مشرقی کی خو بو انقلابی ہے۔ مغربی کی تحریری زبان اردو ہے، اس کی تاریخ، اس کے ادب اور اس کے مذہب کا بہت بڑا سرمایہ اردو میں ہے، مشرقی بنگال کی تحریری بولی بنگالی ہے، ہندو روایات و ادبیات کا کافی ذخیرہ بنگالی میں ہے۔ اردو اس طرح لکھی جاتی ہے جیسے قرآن لکھا جاتا ہے، بنگالی یوں تحریر میں لائی جاتی ہے کہ جیسے ''وید'' اور ''منوکا'' ''دھرم شاستر'' ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے۔''

''ان گوناگوں اختلافات کے باوجود مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے اسلامی بھائی ہیں۔ قرآن مجید کے اس ولولے کو تسلیم کرتے ہیں۔ ''انما المومنون اخوۃ'' حقیقت یہی ہے کہ ایک مومن دوسرے کا برادر ہے۔ نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد درست ہے کہ ''میری امت ایک شخص کی مانند ہے۔'' (امتی کرجل واحد) متعدد منور الفکر غیر مسلم بھی مانتے اور جانتے ہیں کہ اسلامی اخوت کے آفتاب کے سامنے نسل، ذات، خوراک، پوشاک، زبان، افتاد طبیعت کے اختلاف کے چاند، تارے، ہنڈے اور دیے ماند پڑ جاتے ہیں۔''

''اگر ہمارے مغربیت زدہ ''روشن ضمیر'' حضرات بھی اس حقیقت کو مان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان مستحکم ہو۔ استحکام پاکستان یہ ہے کہ پاکستانیوں کے افکار میں زیادہ سے زیادہ وحدت ہو۔ ہماری رائے میں موثر وحدت و یگانگت ربطِ اسلام سے ہے۔ اس لیے پاکستان کی بقا اسی میں ہے کہ اس کا دستور اسلامی ہو۔"(۱)

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"قائداعظم کی تصریح عیاں کر رہی ہے کہ جو دستور ہندو کے لیے موزوں ہے، مسلمان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اگر بھارت کا دستور "لادینی" ہے تو قدرتی بات ہے کہ پاکستان کا دستور "دینی" ہو۔

"اگر خدانخواستہ پاکستان کا دستور اسلامی نہ ہوا تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

جو پاکستان کا بھلا نہیں چاہتا ہم اسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔

ہماری دعا یہ ہے:

جو عدوئے باغ ہو برباد ہو
چاہے وہ گل چیں ہو یا صیاد ہو"(۲)

مندرجہ بالا اقتباسات کسی تشریح و تبصرہ کے محتاج نہیں، انہیں پھر ایک بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ اللہ کے نور سے دیکھنے والے اس رجل عظیم نے جن خطرات کی پیش گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟

کاش! اللہ کے ان نیک بندوں کے مشوروں کو تسلیم کر لیا ہوتا تو ہمیں یہ برے دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام دل و جان سے قبول کرتے ہوئے ملک میں اسلامی دستور نافذ کریں اور ہر "غیر اسلامی ازم" پر لعنت بھیجیں اور نظریہ پاکستان کے مخالفوں سے

(۱) ایضاً صفحہ:۲،۳،۴

(۲) ایضاً صفحہ:۶

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوشیار رہیں۔ پھر مشرقی و مغربی پاکستان میں ہرگز کوئی بعد نہیں رہے گا اور کوئی دشمن ہمیں نیچا نہیں دکھا سکے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

جیل میں

تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے ایام میں مولانا ترنم نے پورے ملک میں دورہ کر کے تقریریں کیں اور قادیانیوں کے بارے میں علماء اور عوام کے متفقہ مطالبات منظور کیے جانے پر زور دیا۔ بالآخر دیگر قائدین کے ساتھ انہیں بھی جیل بھیج دیا گیا۔ چھ ماہ سے زائد عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

فیلو پنجاب یونیورسٹی و رکن بورڈ آف سنڈیکیٹ

مولانا ترنم پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے فوراً بعد پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور بورڈ آف سنڈیکیٹ کے رکن مقرر ہو گئے تھے۔ مولانا نے یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کے لیے جو مقدور بھر کوششیں کیں واقفانِ حال کے دلوں میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

بیعت

مولانا ترنم مغفور و مبرور علوم ظاہری کی تحصیل کے ساتھ ساتھ روحانیت کے چشموں سے بھی سیراب ہوئے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے اور حضرت شاہ علی حسین قادری چشتی کچھوچھوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ سے بھی اکتساب فیض باطنی کیا تھا۔

اخلاق و عادات

مولانا زندگی بھر نہایت سادہ رہے۔ قمیص، شلوار، ترکی ٹوپی ان کا پہناوا تھا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موسم سرما میں ایک کوٹ کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ دو چار میل کے سفر کے لیے کسی سواری کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔[1] بڑے بڑے جلسوں میں اور وفود کے ساتھ وزیروں اور گورنروں کے پاس جاتے تو بھی ان کا لباس وہی ہوتا۔ جلسہ گاہوں میں تقریر کرنے جاتے تو اس طرح کہ اسٹیج پر پہنچ جاتے تو لوگوں کو خبر ہوتی کہ ترنم صاحب آ گئے ہیں۔ انہوں نے ایک صاحب بصیرت عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہمیشہ طالب علم اور علماء کا خادم ہی سمجھا۔ اہل اللہ کی کفش برداری موجب فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ غریبوں کے مونس و غمخوار اور سب شناساؤں اور شاگردوں کے بہترین دوست تھے۔ دوستوں اور ملاقاتیوں کی تواضع کر کے راحت محسوس کرتے تھے۔ لوگ ان کی اپیل پر ہزاروں روپے ڈھیر کر دیتے تھے اور مستورات اپنے زیور اتار کر دے دیتی تھیں مگر انہوں نے اس مال کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنی زندگی عسرت میں بسر کی۔ کوئی جائیداد نہیں بنائی نہ نقد مال جمع کیا۔ غرضیکہ مولانا اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ انسان تھے۔ ہر بڑے چھوٹے سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ غرباء کی امداد و اعانت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔

مستری محمد شریف نے راقم السطور کو بتایا کہ

> ''میری لڑکی کی شادی تھی اور اس وقت میں بالکل قلاش تھا۔ اس پریشانی کا ذکر مولانا سے کیا تو مضطرب ہو گئے اور اگلے ہی روز علی الصبح مبلغ پانصد روپے لے کر میرے گھر پہنچ گئے اور رقم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ضروری سامان خرید لو۔ رخصتی کے دن پھر آؤں گا۔ چنانچہ جس دن برات آنی تھی مولانا پہنچے اور ایک خطیر رقم پھر دے گئے۔''

---

(۱) مولانا حسب معمول پیدل جا رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک پادری شیورلیٹ ڈرائیو کرتا ہوا گزر گیا۔ کسی رہ گزر نے مولانا کو روک کر کہا: ''آپ پیدل اور پادری کار میں؟'' مولانا نے برجستہ جواب دیا: ''وہ زندہ قوم کا مولوی ہے اور میں مردہ قوم کا مولوی ہوں۔''

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

راقم آثم کو ذاتی طور پر علم ہے کہ مولانا بعض اپنے غریب اقربا کی ہمیشہ امداد و اعانت کرتے رہے۔ غرض کہ وہ اپنی محدود آمدنی میں سے بہت سی رقم ایسی مدوں پر صرف کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کی عسرت کو ''فقر اختیاری'' کہنا بجا ہوگا۔ راقم السطور کے ایک محترم بزرگ (جناب غلام محمد مرحوم) مولانا ترنم کے محلّہ دار اور عزیز دوست تھے۔ ان کی زبانی مولانا کی درویشانہ زندگی کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے جن کا بیان طوالت کا موجب ہوگا۔

تصانیف

مولانا ترنم کی مصروفیات اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ انہیں تالیف و تصنیف کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی چند علمی تبرکات بطور یادگار چھوڑ گئے۔

۱۔ نعتیہ کلام جو سارے کا سارا محفوظ نہیں ہے۔

۲۔ دستور پاکستان

چالیس صفحات پر مشتمل یہ فاضلانہ مقالہ مولانا نے صدر جمعیۃ العلماء پاکستان پنجاب کی حیثیت سے جمعیت کی سالانہ کانفرنس (منعقدہ ۱۰، ۱۱، دسمبر ۱۹۵۰ء) کے ایک اجلاس میں پڑھا جسے بعد میں مولانا حکیم غلام معین الدین نعیمی سابق نائب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء پاکستان (مدیر سواد اعظم) نے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔ اس مقالے کے آخر میں مولانا کا یہ شعر درج ہے:

مرا حرفے ز دستور حکومت مدعا باشد
کہ ایں حسب کتاب و سنت خیر الوریٰ باشد

اس فکر انگیز مقالے کے چند اقتباس گذشتہ اوراق میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ یہ مقالہ دوسری بار ۱۹۵۶ء کے اوائل میں خوب صورت انداز میں چھاپ کر اراکین دستوریہ اور اکابر پاکستان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ دوسرے ایڈیشن کے ابتداء میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ سطور درج ہیں:

"یہ مقالہ حضرت علامہ غلام محمد صاحب ترنم نائب صدر جمعیۃ العلماء کل پاکستان نے سپرد قلم فرمایا اور سالانہ کانفرنس منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء میں پڑھا۔ اب بار دوم طبع کرا کر اوائل ۱۹۵۶ء کے اجلاس دستور سے قبل اراکین دستوریہ کے علاوہ اکابرین ملت کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر آج دستور پاکستان کی تکمیل ہو گئی تو سمجھا جائے گا کہ یہ مقالہ جمعیت کی آٹھ سالہ شبانہ روز مساعی جمیلہ کی آخری اور کامیاب کوشش ہے۔"

مولانا نے اس مقالے میں اسلامی آئین کے جو بنیادی اصول بتائے ہیں، ان میں سے بیشتر ۵۶ء کے آئین میں شامل کر لیے گئے تھے۔ یہ مقالہ آج بھی اسی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونی چاہیے۔

۳۔ مقدمہ و حواشی "بطلِ نبوت"

بطل نبوت مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل کے ان لیکچروں کا ترجمہ ہے (از محمد سکندر) جن میں اس نے بعض مقامات پر حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس و اطہر کے بارے میں مخصوص مستشرقانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا نے اس کتاب کے فاضلانہ مقدمہ اور حواشی میں کارلائل کی ہرزہ سرائیوں کے مسکت جوابات دیے ہیں۔ مولانا کے مقدمہ و حواشی نے اس کتاب کو کارلائل کی غلط بیانیوں کا مکمل رد بنا دیا ہے۔ خود لکھتے ہیں کہ "بطل نبوت" تھامس کارلائل کے لیکچروں کا دندان شکن جواب ہے۔"

کارلائل کفر پر مائل رہا
کس قدر تھا بے ضمیر و بے یقین

(ترنم)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۲۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب چودھری منظور احمد ساہی کے تعاون سے ۱۹۵۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر مفت تقسیم ہوئی۔

۴- الجہاد

یہ جہاد کشمیر کے زمانے کی یادگار ہے۔

۵- غذائی چارٹ

فائدہ عوام کے لیے دو قسم کے چارٹ چھپوائے۔ ایک میں پھلوں اور دوسرے میں سبزیوں کے خواص وفوائد درج ہیں۔

۶- ماہنامہ ''ٹمپرنس'' لاہور

اس کے پرنٹر، پبلشر مولانا ترنم تھے مگر مدیر کے طور پر ان کے فرزند محمد سکندر صاحب کا نام مرقوم ہوتا تھا۔ اس رسالے میں شراب خانہ خراب اور جملہ قسم کے منشیات کی برائیوں اور اسلامی اخلاق پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ دو تین سال تک جاری رہا۔ افسوس کہ اس وقت کوئی شمارہ پیش نظر نہیں۔

ذوقِ سخن

حضرت مولانا ترنم علیہ الرحمۃ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز شعر و شاعری سے کیا اور قریباً دو تین سال تک خوب خوب دادِ سخن دی۔ ان ہی دنوں میں غلام محی الدین مونس مرحوم حضرت ترنم کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے اور انہوں نے فیض ترنم کے بدولت پنجابی کے شعراء میں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ مولانا ترنم پنجابی، اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ابتداء میں انہوں نے منقبت اور نعت کے علاوہ غزلیں بھی کہیں اور ایک طویل عشقیہ مثنوی لکھی۔ مگر مداحِ محبوبِ خدا ﷺ کے مقام سے فروتر سمجھتے ہوئے اس ادبی شاہکار کو نذرِ آتش کر دیا اور شعر و شاعری سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ پھر اس فن سے صرف اس قدر تعلق باقی رہ گیا کہ جب کبھی تنہائی میں آلامِ روزگار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے خیال سے مضطرب ہو جاتے تو ملجا و ماوئے بے کساں (ﷺ) کے حضور میں ترنم ریز ہو جاتے۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

جناب ترنم نے شاعری کے ابتدائی دور میں دنیاداروں اور بڑے لوگوں کے قصائد لکھنے سے کلیۃً اجتناب واحتراز کیا۔ حالاں کہ جس ماحول میں انہوں نے اس فن کی تحصیل و تکمیل کی، اس میں یہ چیزیں روابل کہ ضروری تھیں۔ لیکن وہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے شعر ذیل کی عملی تفسیر بنے رہے:

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

مولانا کا نعتیہ کلام چونکہ آخر کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے لہٰذا اس جگہ نمونہ کے طور پر بھی کچھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

سفرِ آخرت

مولانا ترنم وفات سے ڈھائی تین سال قبل ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ مرض نے غلبہ پا لیا۔ جگر متورم اور دل بڑھ گیا۔ مگر ان تکالیف کے باوجود ان کے معمولات میں فرق نہ آیا۔ آخری دو ماہ میں امراض نے بالکل نڈھال کر دیا تو خطبہ جمعہ دینے سے معذور ہو گئے۔ بالآخر اس عظیم مبلغ اسلام اور عاشق رسول مقبول (ﷺ) نے ۱۷ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو سفر آخرت اختیار کیا اور بزبانِ حال یہ کہتا گیا:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قابلِ رشک جلوس جنازہ

مولانا کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد لیاقت پارک بیڈن روڈ سے جنازہ اٹھایا گیا۔ ہزاروں عقیدت مندوں نے باچشمِ تر جلوس جنازہ میں شرکت کی اور بڑے علماء و فضلاء بلا امتیاز مسلک و مشرب شریک جنازہ ہوئے۔ عیدگاہ بہاولپور روڈ میں جنازے کی نماز مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ناظم مرکزی حزب الاحناف لاہور نے پڑھائی۔ مولانا ترنم کا جلوس جنازہ مختلف بازاروں سے گھومتا ہوا جب چوک گوال منڈی میں پہنچا تو کسی نے چوک میں کھڑے ہو کر مولانا کی رحلت کے متعلق چند پُر حسرت جملے کہے تو مجمع تڑپ اٹھا۔ اس پر میرا ذہن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے اشعار ذیل کی طرف منتقل ہو گیا:

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے
یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

آخری آرام گاہ

مولانا کی آخری آرام گاہ گورستان میانی بہاولپور روڈ پر (برلب سڑک) بالمقابل مزار حضرت مہر محمد صوبہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعی۔ ۱۹۶۹ء میں محترم نذیر احمد اختر صاحب کی کوشش سے انجمن تبلیغ الاحناف (امرت سر) لاہور نے مولانا کے مزار کو سنگ مرمر سے پختہ بنوا دیا اور لوح نصب کرا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اراکینِ انجمن کو جزائے خیر سے نوازے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جذبات عزیز

مولانا کی رحلت کو ہر مکتب فکر کے علماء نے ایک نا قابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔ اخبارات نے اداریے لکھے۔ مختلف انجمنوں اور تنظیموں نے تعزیت کی قراردادیں منظور کیں۔ ملک نصراللہ خاں عزیز سابق ایڈیٹر روزنامہ ''تسنیم'' لاہور، جو مسلکاً اہلحدیث اور جماعت اسلامی کے سرکردہ رکن ہیں، نے ''تسنیم (مرحوم) میں افکار امروز'' کے کالم میں اپنے جذبات کو یوں پیش کیا تھا:

''آج مولانا مرتضیٰ احمد (۱) میکش کے انتقال کی خبر ملی...... اس سے قبل مولانا غلام محمد ترنم نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ یہ دونوں حضرات اہلِ علم تھے اور ملک کی خدمت میں ان کی زندگیاں گزری تھیں۔ ان خادمانِ ملت کا اٹھ جانا ایک افسوس ناک سانحہ ہے۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی!

مولانا ترنم سے پہلی مرتبہ امرت سر میں تعارف ہوا تھا۔ وہ اسم با مسمّٰی اور اپنے تخلص کا عملی نمونہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی غلامی پر انہیں فخر تھا اور بڑے شیوا بیان واعظ تھے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی ان کے دینی وملی مشاغل میں فرق واقع نہ ہوا۔ دستور اسلامی کے حامی تھے اور سیکرٹریٹ کی جامع مسجد کے خطیب ہونے کے باوجود اسی مسجد کے منبر سے اس وقت حق بات کہتے تھے جب کہ وقت کی حکومتیں اس بات کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

مسلک کے اعتبار سے بریلوی تھے مگر مرنجاں مرنج اور مسلکی اختلافات

---

(۱) مولانا میکش جمعیت علماء پاکستان کے مشیر قانونی تھے اور ترنم صاحب سے تین روز بعد رہگرائے ملک بقا ہوئے۔ رحمہ اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو خوش طبعی اور بذلہ سنجی سے ٹال جاتے تھے۔ قادیانی ایجی ٹیشن میں سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد ان کے دم خم میں فرق نہیں آیا تھا۔ ہر فن مولا تھے۔ واعظ، مدرس، سیاسی کارکن، خطیب، عالم، عامی سب کچھ تھے۔ جس محفل میں بیٹھتے اسے کشت زعفران بنا دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر اور ان کی نیکیوں کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!''(۱)

تعزیتی اجلاس

مولانا ترنم چونکہ پاکستان طبی کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ اس لیے ۷/اگست ۱۹۵۹ء کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں کانفرنس کی جانب سے ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی، حکیم عبدالمجید عتیقی (متوفی ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) اور دیگر فضلاء نے حضرت مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس اجلاس کی کارروائی تلاوت قرآن مجید کے بعد مولانا ترنم کے دیرینہ رفیق اور جامعہ اسلامیہ امرت سر کے مدرس جناب حکیم غلام نبی امرت سری (جو تقسیم کے بعد راولپنڈی میں مقیم ہو گئے تھے۔ اب چند سالوں سے انگلستان میں شان خداوندی کے مشاہدہ میں منہمک ہیں) کی نظم سے شروع ہوئی۔ یہ نظم بے حد پسند کی گئی۔ ملاحظہ ہو! ؎

تمدن کے آداب سکھلانے والا — جہاں میں فقط ہے نظامِ محمد ﷺ
بنی نوع انساں کو امن واماں سے — بسا دینے والا ہے نامِ محمد ﷺ
عبادت ہے نعت محمد کا پڑھنا — عبادت درود اور سلام محمد ﷺ
زبانِ محمد زبانِ خدا ہے — کلامِ خدا ہے کلامِ محمد ﷺ
خدا کو پیارے ہوئے ہیں ترنم — خدا کو ہیں پیارے غلامِ محمد ﷺ
خدائے محمد ترنم کو بخشے!! — سناتے تھے ہم کو پیام محمد ﷺ

(۱) بحوالہ فیض الاسلام راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بہشت بریں ہو عطا ان کو مولا سراپا تھے خوبی غلام محمد ﷺ
یہ ساقی پلاتا تھا بادہ کشوں کو مئے عشق مولا بجامِ محمد ﷺ
پلائے خدا حوضِ کوثر سے اس کو بدست محمد بجامِ محمد ﷺ
ترنّم تھا گلزار احمد کا بلبل کہ گاتا تھا ہر دم کلامِ محمد ﷺ

ترنم تھا باغِ محمد ﷺ کا درباں!
ترنّم تھا دل سے غلامِ محمد ﷺ

جمعیۃ العلماء پاکستان کی طرف سے بھی برکت علی اسلامیہ ہال میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا، جس میں اکابر علماء نے حضرت ترنم کی شاندار اسلامی خدمات کو سراہا اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کی گئی نیز جمعیت کی طرف سے اطراف و اکناف ملک میں تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔

تاجرانِ لنڈا بازار لاہور نے ۱۵ مئی ۱۹۶۰ء کو مولانا کی یاد میں ایک جلسہ برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں منعقد کیا، جس کی صدارت کے فرائض علامہ علاء الدین صدیقی نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں مشہور طبیب حکیم عبدالرشید تلمیذ جیلانی ایڈیٹر ماہنامہ ''کلید صحت ڈائجسٹ'' لاہور نے ایک نظم پڑھی جس کے چند بند ذیل میں درج ہیں:

فصیح البیاں، تاجدارِ تکلم
وہ دریائے علم و ادب کا شناور محیط سخن کا درخشندہ گوہر
وہ افلاک حکمت کا خورشید خاور جہان خطابت کا ماہ منور
غلام محمد ترنم ترنم!!
فصیح البیاں تاجدارِ تکلم
فقیہ و محقق، معلم، مفسر بلا کا مفکر، غضب کا مقرر
مسائل کو حل کرنے والا مدبر حقائق بیاں کرنے والا مبصر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

غلام محمد ترنم ترنم!!
فصیح البیاں تاجدارِ تکلم

وہ مانا ہوا دہر میں عالمِ دیں جسے حق نے بخشی تھی چشمِ خدا بیں
ریاضِ طریقت کا ہشیار گل چیں رہا زندگی بھر وہ باعز و تمکیں

غلام محمد ترنم ترنم!!
فصیح البیاں تاجدارِ تکلم

میرے محسن خاص اے فخرِ دوراں گئی تیرے جانے سے بوئے گلستاں
ہوئی بزم علم و ادب وقف حرماں ہر اک آنکھ تیری جدائی میں گریاں

غلام محمد ترنم ترنم!!
فصیح البیاں تاجدارِ تکلم

زمانے مین تیرا نہ تھا کوئی ثانی ترا نطق تھا اک بحر معانی
تری خدمت دین ہے غیر فانی ابد تک رہے گی یہ تیری نشانی

غلام محمد ترنم ترنم!!
فصیح البیاں تاجدارِ تکلم

حضرت مولانا کو ہم سے جدا ہوئے بارہ برس گزر چکے ہیں لیکن ان کی ناقابلِ فراموش یادوں سے ان کے احباب اور لاتعداد عقیدت مندوں کے سینے آباد ہیں اور ان کے دل ان کا مزار ہیں۔

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

تواریخِ وفات

حضرت مولانا ترنم علیہ الرحمۃ کی وفات حسرت آیات پر تاریخ گو شعراء نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تاریخی قطعات کہہ کر مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس وقت دو حضرات کے قطعات پیشِ نظر ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

قطعہ

از

مولانا پیر غلام دستگیر نامی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۱ھ)

غلام محمد ہوئے آہ فوت — وفات ان کی ہے ایک عالم کی موت
جو تاریخ مطلوب نامی! ہے تو — "ہوا فوت عذب البیاں ہے" کہو

۱۳ ھ ۷۹

ولہٗ

غلام محمد کی نامی! وفات — ترنم پہ اک خط تنسیخ ہے
غلام محمد طبیب اجل — جہاں سے گئے آہ تاریخ ہے

۱۳۷۹ھ

دیگر

از

جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا لاہوری مدظلہٗ

ہوئے ہیں واصل حق اللہ آج مولانا
بہاریں منتظر ان کے لیے تھیں باغ جنت کی
مؤدب بہر استقبال تھے حور و ملائکہ بھی
کشادہ ہو گئی ان کے لیے آغوش جنت کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمیں داغ غم فرقت وہ دے کر چل دیے ہیں آہ
پے ملت رہی تھی وقف جن کی زندگی ساری
مبلغ تھے، محقق تھے، خطیب بے بدل تھے وہ
عظیم و ارفع و اعلیٰ تھی ان کی باعمل ہستی
چمن والوں کو ہرگز وہ نہ بھولیں گی کبھی واللہ
کہ تھیں عشق نبی میں جو ترنم ریزیاں ان کی
ہے سال وصل پر ان کے فدا بے ساختہ مجھ کو
ندا یہ غیب سے آئی "ہوئی رحلت ترنم کی"

۱۳ ھ ۷۹

راقم السطور نے مولانا ترنم کی وفات پر یہ تاریخی مادے نکالے تھے:

"ترنم داخل خلد"	"فاضل حکمت"	"رحلت شیریں مقال"
۱۹۵۹ء	۱۳۷۹ء	۱۳۷۹ھ

بحر خطابت

جناب اے حمید صاحب کو مرحوم امرت سر کے گلی کوچوں، باغوں، نہروں، ہواؤں اور فضاؤں سے پیار ہے اور جن غیور اور بہادر مسلمانوں کے دم قدم سے یہ شہر "عروس البلاد" کہلاتا تھا ان کی پر بہار محفلوں، پرخلوص مجلسوں اور وہاں کے سراپا وفا لوگوں کی مہر و محبت اور تہذیب و ثقافت سے انہیں عشق ہے۔

پتہ آب حیات مہر و الفت کا کوئی پوچھے
تو کہہ دینا کہ ہاں ملتا ہے امرت سر سے ملتا ہے

(شمس مینائی مرحوم)

اے حمید صاحب اپنے اس عشق کی داستاں مختلف عنوانوں کے تحت اردو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈائجسٹ اور دیگر رسائل میں لکھتے رہتے ہیں۔ حضرت ترنم پر میرا یہ مقالہ کتابت کے آخری مراحل میں تھا کہ حکیم کامل نظامی صاحب نے ان کا ایک مضمون بعنوان ''امرت سر کی ایک گلی'' دکھایا۔ یہ مضمون ان کے دورۂ امرت سر (مرحوم) کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے مولانا ترنم کی خطابت کا خوب خوب نقشہ کھینچا ہے۔ اس مضمون کا وہ حصہ جو مولانا ترنم سے متعلق ہے بطور ضمیمہ درج ذیل ہے ۔

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

مسجد قاصداں کے دونوں میناروں پر اکالی سکھوں نے اپنے زرد جھنڈے گاڑ رکھے تھے اور اس کی محرابوں پر سکھ عورتیں اوپلے تھاپ رہی تھیں۔ یہ وہی مسجد تھی جس کے در و دیوار جمعے کے روز مولانا غلام محمد ترنم کی ولولہ انگیز تقریروں سے گونجا کرتے تھے۔ شہر کے دور دراز محلوں سے مسلمان مسجد قاصداں میں مولوی ترنم کی تقریر سننے آیا کرتے۔ سیاہ کالی گھنی ڈاڑھی، گٹھا ہوا مضبوط بدن، چوڑا چکلا ہر وقت مسکراتا ہوا نورانی چہرہ...... مولوی ترنم گیندے اور سرخ گلاب کے ہاروں سے لدے پھندے جب منبر پر چڑھتے تو نمازیوں میں عقیدت اور جوش ایمان کی ایک لہر دوڑ جاتی، مسجد کا صحن، ہال کمرہ، چھتیں اور گلی نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی۔ چھت پر تمبو، قناتیں لگی ہوتیں، جہاں پردہ دار بیبیاں ہمہ تن گوش ہوتیں۔ مولوی ترنم عشق رسالت مآب میں سرشار آنکھوں سے مجمع پر نگاہ ڈالتے۔ والہانہ انداز میں گردن دائیں کو بائیں گھماتے اور پھر جیسے خدا کے حضور میں مؤدب ہو کر آنکھیں بند کر لیتے اور لب معجز گفتار سے یہ الفاظ نکلتے:

''نحمدہ و نصلی ....''

اس کے بعد خطابت و بلاغت کا ایک دریا بہہ نکلتا جو پر پیچ وادیوں کے ٹیلوں سے ٹکراتا، کھائیوں کو پر کرتا، سنگلاخ چٹانوں کو پیچھے چھوڑتا بالآخر ایک بحر زخار میں جا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملتا۔ مجھے یاد ہے ایک بار محرم کے دنوں میں مولانا ترنم شہدائے کربلا کا ذکر کر رہے تھے، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ چھت پر عورتیں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

مولانا ترنم تبلیغ دین کے لیے گلی گلی محلے محلے جا کر جلسے کیا کرتے۔ ان کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی۔ تقریر کرتے ہوئے ایک آدھ جملہ سامعین پر کچھ اس طرح چست کر جاتے کہ محفل زعفران زار بن جاتی۔ ان دنوں امرت سر کے سینما گھروں میں بدھ وار سپیشل زنانہ شو نیا نیا شروع ہوا تھا۔ ترنم صاحب ہمارے محلے میں بعد از نماز عشاء تقریر کر رہے تھے۔ گلی میں کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مکانوں کی چھتیں اور کھڑکیاں عورتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ تقریر کرتے کرتے مولانا نے زنانہ فلمی شو کی بات شروع کر دی۔ اچانک مکانوں کی منڈیروں کی طرف دیکھ کر بولے۔

"اتوں اٹ نہ سٹ دینا۔"

پھر انہوں نے نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ بدھ وار کو میٹنی شو پر جانے کے لیے کس طرح ایک دوسری کو اکٹھی کرتی ہیں۔

"نی سکینہ! اج منڈوے چلنا ایں۔ روٹی جلدی پکائیں۔"

"نی داراں! جلدی جلدی کپڑے دھو، آج بدھ وار اے۔"

لوگ ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتے۔ پھر فوراً ہی مولانا ترنم کا لہجہ پر عتاب ہو جاتا اور کہتے:

"سنو! ہماری بیٹیوں اور بہنوں کو تو خدا کے حضور میں جانے کی تیاریاں کرنی چاہیے تھی۔"

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

ایک جلسے میں کشمیری گھرانوں کی شاہ خرچیوں اور خاص طور پر بیاہ شادیوں کے موقع پر ان کی خوش خوراکی اور بے جا اسراف پر تقریر کر رہے تھے کہ شادی کی دعوت کا نقشہ کھینچنا شروع کر دیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

"دیگیں کھل گئی ہیں۔ دستر خوان لگ گئے ہیں، پلاؤ کی مہک اڑنے لگی
ہے۔ زردہ، بریانی، متنجن سے بھرے ہوئے قاب جا رہے ہیں۔
اوئے چھیدے قورمہ ہور دے جا۔ کاکا جی پٹھ دی بوٹی بھیج دیا جے۔
نی صغراں متنجن دا قاب دے جا۔"

لوگ بے اختیار ہو کر ہنسنے لگے۔ اچانک مولانا ترنم کا لہجہ بدل گیا، بجلی کی طرح کڑک کر کہا:

"شرم کرو۔ ہنستے ہو۔ کیا تمہیں یاد نہیں ہمارے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
پیٹ پر پتھر باندھے تھے۔ ان کے گھر میں فاقہ آ جاتا تھا۔ مسلمانو!
کہاں سے چلے تھے اور کہاں آ گئے ہو؟"

اس کے بعد اسلامی تاریخ کے اوراق کچھ ایسے دلگداز انداز میں الٹنا شروع کرتے کہ وہی مجمع جو ایک منٹ پہلے ہنس رہا تھا۔ سسکیاں بھرنے لگتا۔"[1]

وہ سوز کہاں مطرب دوراں کی زباں میں
جو سوز ترنم کو عطا تو نے کیا ہے

(ترنم)

التماس

حضرت مولانا علامہ غلام محمد ترنم مرحوم و مغفور کا روح پرور اور وجد آفریں نعتیہ کلام جس قدر دستیاب ہو سکا وہ نذر قارئین ہے۔

مولانا کی بیاض جس میں ہجرت سے قبل کی کہی ہوئی نعتیں درج تھیں ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد غلام محی الدین مونس شائع کرنے کے ارادے سے راولپنڈی لے گئے مگر وہ جاتے ہی انتقال کر گئے اور بیاض لاپتہ ہو گئی۔

---

(۱) اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۱ء ص ۳۴۸۔۳۴۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زمانہ قیام لاہور میں مولانا نے جتنی نعتیں کہیں وہ چھپوا دیں یا نعت خوانوں کو دے دیں اور ان کی نقل نہیں رکھی اس لیے ان کے کلام کی تدوین و ترتیب اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ وہ حضرات تعاون نہ فرمائیں، جن کے پاس ان کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام محفوظ ہے لہٰذا مولانا کے عقیدت مندوں سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں تعاون فرمائیں تاکہ مولانا کے نعتیہ کلام کا ایک ضخیم مجموعہ ترتیب دیا جا سکے۔

نغماتِ ترنم

یاد اللہ

تیرا در ہے سب کی سجدہ گاہ رب العٰلمین

اے شہنشاہوں کے شہنشاہ رب العٰلمین
تُو ہے عالی جاہ عالی جاہ رب العٰلمین

دیتا ہے تیری گواہی تو ہے رب لا شریک
ذرہ ذرہ تا بہ مہر و ماہ رب العٰلمین

ہادیٔ برحق ہے تُو ہو گر ذرا مرضی تری
راہ پر آ جائے ہر گمراہ رب العٰلمین

جان و دل سے ہر زماں قرباں ہے تیرے حکم پر
سارا عالم کوہ سے تاکاہ رب العٰلمین

حور و غلماں وقف طاعت ہیں ملائک سجدہ ریز
ہے بشر کے دل میں تیری چاہ رب العٰلمین

کج ہیں راہیں کفر کی باطل کے رستے تنگ و تار
راہ سیدھی ہے تو تیری راہ رب العٰلمین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جن و انساں انبیاء و اولیا ہوں یا ملک
تیرا دَر ہے سب کی سجدہ گاہ رب العٰلمین

نوح و ابراہیم و اسمٰعیل و ایوب و مسیح
سب کی جانیں تیری قرباں گاہ رب العٰلمین

سب گدا ہیں تو غنی ہے تو ہے اللہ الصمد
تو ہے بے پرواہ رب العٰلمین

میں سراپا معصیت ہوں بخش دے میرے گناہ
اے مرے مالک مرے اللہ رب العٰلمین

یہ ترنم ذرہ ناچیز و بے مقدار ہے
اس کا سر ہے تیرا فرش راہ رب العٰلمین

نعت شریف

بحضور سید الافراد خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صفات رب کے مظہر رحمۃ للعٰلمین
تُو ہے ظاہر تو ہے اطہر رحمۃ للعٰلمین

صاحب لولاک ہیں اور باعث تکوین خلق
خاصہ خلاق اکبر رحمۃ للعٰلمین

عرش و کرسی ماہ و خُور، ارض و فلک لوح و قلم
جھک رہے ہیں تیرے در پر رحمۃ للعٰلمین

بام و در سنگ و شجر سرشار کیف وعظ سے
رونق محراب و منبر رحمۃ للعٰلمین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لی مع اللہ، قاب قوسین، دنیٰ تیرے مقام
مرحبا اللہ اکبر رحمۃ للعلمین

تیری شان عرش رفعت تیری عظمت دیکھ کر
آسماں نے کھائے چکر رحمۃ للعلمین

والضحیٰ ہے رخ ترا واللیل ہی زلف دوتا
اور پسینہ مشک و عنبر رحمۃ للعلمین

انبیاء و مرسلیں ابدال غوث و صالحین
کل کے مولیٰ سب کے رہبر رحمۃ للعلمین

بندہ آقا، اسود احمر تیرے در پر ہو گئے
مل کے باہم شیر و شکر رحمۃ للعلمین

تم ہو محمود و محمد زیب دیتی ہے تمہیں!
ہر ثنا بہتر سے بہتر رحمۃ للعلمین

اے ترنم ہے تجھے کیوں خطرہ یوم الحساب
ہیں شفیع روزِ محشر رحمۃ للعلمین

(ا)

جلوہ ہر سمت ہے اے شمع تجلی تیرا
مظہر نورِ خدا ہے رخ زیبا تیرا

تیرے انفاس میں نوخیز گلوں کی خوشبو
مطلع نور مقدس ہے سراپا تیرا

تیرے کردار کی عظمت ہے منقش دل پر
آسماں بوس ہے اخلاق کا رتبہ تیرا

سب سے افضل ہے محبت میں محبت تیری
فخر عشاق ہے ہر چاہنے والا تیرا

وہ جو ہیں شیوۂ تسلیم و رضا سے واقف
دیکھتے رہتے ہیں ہر بات میں منشا تیرا

حامل حسن سماعت ہو جو گوش انساں
سینہ ساز میں بھی ہوتا ہے نغمہ تیرا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تیرے دیوانے جہاں بخش و جہاں مار رہے
عظمت اہلِ خرد کیوں نہ ہو سودا تیرا

اس کے دامن سے مٹے داغ سیہ کاری کے
جس نے بھی دیکھ لیا نقش کفا پا تیرا

تو ہے بے مثل ہے نبیوں میں، تو ہی یکتا ہے
کوئی ہمسر کوئی ثانی نہیں دیکھا تیرا

ایک مجموعہ اعجاز ہے تیری ہستی!
"حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا" تیرا

مجھ کو دنیا کی محبت سے سروکار نہیں
دل میں ارماں ہے فقط اے شہ بطحا تیرا

میرے سینے میں فروزاں ہے چراغِ ایماں
مجھ کو کچھ خوف نہیں ہے شب بلدا تیرا

اک ترنم ہی نہیں تیری تمنا کا اسیر
بزمِ ہستی میں نہیں ہے کسے سودا تیرا

(۲)

کسی کام کا پھر دیدہ بینا ہے ہمارا
محدود اگر ذوق تماشا ہے ہمارا

جلوؤں سے تہی کعبۂ دل ہو نہیں سکتا
اک شمع حرم داغ تمنا ہے ہمارا

ہے اپنا جنوں راہ بر راہ نوردان
جو مظہر دانش ہو وہ سودا ہے ہمارا

بخشش کی طلبگار ہیں شرمندہ نگاہیں
اس رحمت عالم سے تقاضا ہے ہمارا

بدلے ہوئے حالات بھی میں بھی دل نہیں بدلا
ہر گام پہ رخ جانب کعبہ ہے ہمارا

مشہور ہے یہ، ہم بھی ہیں دیوانہ احمد ﷺ
ہر محفل آشفتہ میں چرچا ہے ہمارا

ہم عاشق انوار محمد ﷺ ہیں ازل سے
اب سامنا اے برقِ تجلّی ہے ہمارا

کچھ اور سکوں خیز نگاہوں کا نظارہ
بیتاب ابھی تک دل شیدا ہے ہمارا

پیغامِ محمد ﷺ سے یہ ظاہر ہے ترنم
دنیا بھی ہماری ہے تو عقبیٰ بھی ہمار

(۳)

نقش و نگار عالم امکان تمہی تو ہو
زیبائش فضائے گلستان تمہی تو ہو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مجھ کو یقیں ہے کہ شبستان دہر میں پاکیزگی صبح گلستان تمہی تو ہو
اہلِ نظر کو جس سے ملا نور مستقل! ایماں فزادہ چشمہ عرفاں تمہی تو ہو
فکر ونظر میں تم سے ضیائے دوام ہے اک انتہائے جلوہ تاباں تمہی تو ہو
تخلیق کائنات کا باعث ہے کس کی ذات کہتا ہے دل کہ سرور دوراں تمہی تو ہو
وابستہ ہے تمہی سے تمنائے زندگی میری کتاب شوق کا عنواں تمہی تو ہو

اک نگہ لطف سوئے ترنم کبھی کبھی
نبیوں کے تاج، فخر رسولاں تمہی تو ہو

(۴)

دیارِ حبیب خدا کو دیکھ آئیں!
ستارہ بار مقدس فضا کو دیکھ کر آئیں

سنا ہے ذرے وہاں کے بقا کے جوہر ہیں
حیات بخشی موج ہوا کو دیکھ آئیں

طلوع مہر نبوت سے جس کو نسبت ہے
وہاں کی گردش صبح و مسا کو دیکھ آئیں

جنہیں فروغ تجلی کو دیکھنا ہو بہار
وہ شہرِ طیبہ کے ارض و سما کو دیکھ آئیں

نہیں ہے دم کا بھروسہ کچھ اہتمام کرو
کہ ہم خزینہ صدق و وفا کو دیکھ آئیں

وہ لوگ بزم جہاں میں بڑے مبارک ہیں
جو آرزوئے نبی میں خدا کو دیکھ آئیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اٹھو بھی اب تو ترنم صفائے دل کے لیے
مقام مظہر حق آشنا کو دیکھ آئیں

(۵)

میں نیازمند حضور ہوں، میں اسیر زلف جہاں نہیں
مجھے نام پاک سے ہے غرض کوئی فکر سود و زیاں نہیں
جو خدا کا خاص حبیب ہو، جو خدا کے عین قریب ہو
کرے وصف اس کے بشر بیاں یہ مجال وتاب وتواں نہیں
جو حریق سوز رسول ہے وہی ذات حق کو قبول ہے
یہ ہے اک حقیقت مستقل کوئی اس میں وہم وگماں نہیں
سر حشر ہوں گی شفاعتیں، کہیں بخششیں کہیں رحمتیں
تیرا وعدہ وعدہ خاص ہے مجھے خوف سوزش جاں نہیں
یہ چمن یہ پھول یہ نکہتیں یہ بہار نو کی لطافتیں
جو ظہور نور نبی نہ ہو تو یہ رنگتیں بھی یاں نہیں
ہیں نفس نفس میں صعوبتیں، ہیں نظر نظر میں اذیتیں
جو تیرا کرم نہ شریک ہو غم زندگی ہے اماں نہیں
ابھی اے ترنم ناتواں کہیں کیف و نور نہیں یہاں
ابھی میری بزم حیات میں کہیں ساز نغمہ بجاں نہیں

(۶)

وہ جدھر جلوہ بار پھرتے ہیں
لوگ دیوانہ وار پھرتے ہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بزم انجم میں، محفلِ گل میں
آپ ہی کے شکار پھرتے ہیں

کس کی قسمت میں ہے مے عرفاں
پینے والے ہزار پھرتے ہیں

یاد آتا ہے التفاتِ رسول
دن جو بے اختیار پھرتے ہیں

تیرے فردوس کی مہک کے لیے
پاسبان بہار پھرتے ہیں

ہر طرف ہے ہجوم سرمستاں
ہر طرف جاں نثار پھرتے ہیں

اے ترنم جہاں ہے پنبہ بہ گوش
کب سے ہم نغمہ بار پھرتے ہیں

(۷)

حضرت نے نقش وحدت دل پر بٹھا دیے ہیں
ذہنوں سے غفلتوں کے پردے اٹھا دیے ہیں
جچتے نہیں نظر میں نقش و نگار عالم
روئے نبی نے ایسے جلوے دکھا دیے ہیں
قلب رسول میں تھا امت کا غم یہاں تک
آنکھوں نے آنسوؤں کے چشمے بہا دیے ہیں
ہے یہ بھی فیض بخشی حب حبیب حق کی
داغ گناہ دل سے سارے مٹا دیے ہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ کی اطاعت ایمان ہے ہمارا
حضرت نے ایسے نغمے ہم کو سنا دیے ہیں

بیداری جہاں کا ایسا سبق دیا ہے!!!
مدت سے سونے والے انساں جگا دیے ہیں

اب دل میں ہیں ترنم یاد نبی کے جلوے
غم اپنی زندگی کے ہم نے بھلا دیے ہیں

(۸)

میرے دل میں ہزاروں جلوے ہیں مجھے تابش رخ کی ضیاء کی قسم
میں ہوں بندہ شاہد ارض و سما، مجھے شاہد ارض و سما کی قسم

مرے سر پہ ہے سایہ لطف و کرم، مجھے پرسش عصیاں سے کیا غم
مجھے فکر نہیں ہے جہنم کی، تری بخشش و جود و سخا کی قسم

مجھے بزم جہاں سے کام نہیں کہ مذاق طلب مرا خام نہیں
جہاں ذکر محمد ہوتا ہے، مری بزم وہی ہے خدا کی قسم

مجھے زیست کی راہگزاروں پر ہر لحظہ ہے چلنا شام و سحر
کوئی فکر مقام و قیام نہیں، مجھے گردش صبح و مسا کی قسم

ہنس ہنس کے ملے ہیں دشمن سے، ہر جابر و ظالم و پرفن سے
نہیں دیکھا کسی میں یہ استغنا، مجھے شیوۂ صبر و رضا کی قسم

ترا عشق ہی میرا حاصل ہے، ترا عشق ہی میری منزل ہے
ترے در سے کبھی نہ اٹھوں گا، مجھے اپنی ہی روح وفا کی قسم

میرے دل میں وہ نغمے پنہاں ہیں، مرے دل میں وہ جذبے خنداں ہیں
کہ جہان ترنم رقصاں ہے اسی بربطِ نغمہ سرا کی قسم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۹)

میسر ہو یا رب فضائے مدینہ — بہار آفریں ہے ہوائے مدینہ
شہنشاہ کی کچھ حقیقت نہیں ہے — وقار آشنا ہے گدائے مدینہ
وہیں ختم ہو زندگی کی مسافت — نظر جس گھڑی مجھ کو آئے مدینہ
زیارت ہوئی اور دل جاگ اٹھا — نگاہوں کے دامن پہ لائے مدینہ
نظر کو مقدس سکوں مل رہا ہے — بہت ہی بھلی ہے فضائے مدینہ
وطن میں نہ ہو روح بیتاب کیوں کر — کہ سر میں بھری ہے ہوائے مدینہ
اسی کا مقدر ہے یاور جہاں میں — جسے بھی مقدر دکھائے مدینہ
مدینے کی حسرت میں ہم مضطرب ہیں — مدینہ دکھا اے خدائے مدینہ

عطا ہو شرف اس کو دیدار کا اب
ترنم بھی ہے ہم نوائے مدینہ

(۱۰)

ہم نے دیکھا سارا زمانہ — کچھ ہے حقیقت کچھ ہے فسانہ
چھیڑ کے دیکھو سازِ دل کو — گونج اٹھے گا ان کا ترانہ
کردہ گناہوں پر ہم روئے — بخشش کا ہے یہ بھی بہانہ
آج بھی ہے طیبہ کی فضا میں — بادۂ وحدت کا مے خانہ
ذوق زیارت اتنا فزوں ہے — روک رہا ہے جتنا زمانہ
چشم عنایت مجھ پر ہوگی — آپ سنیں گے میرا فسانہ
دنیا کے ترکش میں نہیں ہیں — جن تیروں کا دل ہے نشانہ
کون ہماری بزم میں آیا — رقص کناں ہے ہر پیمانہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لب پہ ترنّم کے جو ابھرا
روح میں ڈوب گیا وہ ترانہ

(۱۱)

روشن ترے انوار سے طیبہ کی فضا ہے
اڑتے ہوئے ذروں میں ستاروں کی ضیاء ہے
جھکتی ہیں ترے در پہ سلاطیں کی جبینیں!
تو وارث صد سلطنت ارض و سما ہے
زندہ ہوں تری تشنگی دید سے اب تک
یہ تشنگی ہم مرتبہ آب بقا ہے
پھولوں میں ستاروں میں بہاروں کی مہک میں
باطن کی نگاہوں نے تجھے دیکھ لیا ہے
مظلوم پہ مجبور پہ معذور پہ اکثر!
اے رحمت بے پایاں کرم تیرا ہوا ہے
جو بات مرے دل میں تھی لفظوں میں نہیں تھی
اظہارِ عقیدت تو کئی بار کیا ہے
وہ سوز کہاں مطرب دوراں کی زباں میں
جو سوز ترنّم کو عطا تو نے کیا ہے

(۱۲)

اس اک تلاش سے دل میرا اضطراب میں ہے
سرور نغمہ توحید کس رباب میں ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابھی کچھ اور نگاہی دم کا ہوں محتاج
ابھی حیات میری عالم خراب میں ہے

ترے بغیر سکوں کا حصول ناممکن
مرے جہان کا ہر ذرہ انقلاب میں ہے

رخ حضور سے چھٹتا تھا جو فضاؤں میں
وہ رنگ و نور کہاں روئے آفتاب میں ہے

شفیع عرصہ محشر ہیں روبرو، لیکن
عجیب بات ہے دل فکر احتساب میں ہے

فروغ نور محمد ﷺ ہے غنچہ و گل میں
جھلک حضور کی دامان مہتاب میں ہے

ہزار جلوے ہیں روشن کسے نگاہ چنے
مری نگاہ تو جلوؤں کے انتخاب میں ہے

نگاہ کرم تجسّس ہے اس طرح گویا
کوئی حسین تجلی ابھی حجاب میں ہے

اگر ہے فرق ترنم تو ہے سماعت میں
وگرنہ ایک ہی نغمہ ہر اک رباب میں ہے

(۱۴)

کیا کہے گا دل ناداں تجھے سودا کیا ہے
وہ اگر پوچھ لیں تجھ سے کہ تمنا کیا ہے

کون اندازہ کرے وسعت نظارہ کا
میری بے تاب نظر نے ابھی دیکھا کیا ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دل کشی پھولوں میں تاروں میں بہاروں میں نہیں
ماسوا آپ کے اس دہر میں اچھا کیا ہے

آسمانوں سے اترتے ہیں فرشتے رقصاں
روح کے ساز میں آخر کوئی نغمہ کیا ہے

آپ کے غم کو خدا دل میں سلامت رکھے
آپ کا غم ہو تو اندیشہ دنیا کیا ہے

کچھ نہیں جانتے ہم تیری طلب میں گم ہیں
حشر امروز ہے کیا محشر فردا کیا ہے

نہ تصور میں یہ قدرت نہ تخیل میں یہ تاب
کیا کہیں چہرہ پرنور کا نقشہ کیا ہے

اک ترنم ہی نہیں جلوہ حیرت کا اسیر
ہر کوئی سوچ رہا ہے تیرا جلوہ کیا ہے

(۱۴)

(یہ نعت مئی ۱۹۵۳ء میں کیمبل پور جیل میں لکھی گئی)

گلشن عالم کے گوشوں میں گونج رہا ہے نامِ محمد ﷺ
ڈالی ڈالی پتا پتا دیتے ہیں پیغامِ محمد ﷺ

طیبہ کے مے خانے میں ہے نور و مستی کیف و نکہت
بادہ عرفاں مہکا مہکا روشن روشن جامِ محمد ﷺ

نور صداقت روح دیانت ایک بصیرت ایک حقیقت
بستی بستی صحرا صحرا پھیلا ہے اسلام محمد ﷺ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نیر رخشاں، انجم تاباں، ماہ فروزاں، صبح درخشاں
طور بداماں، جلوہ ساماں نور مجسم بام محمد ﷺ

ذہن ہمارے باغی باغی، دل ہیں ہمارے داغی داغی
پھر بھی سہارا بن جائیں گے محشر میں اکرام محمد ﷺ

ذروں میں تنویر وحدت، پھولوں میں مہتاب رنگت
اللہ اللہ ان کا زمانہ، صبح سے روشن شامِ محمد ﷺ

نگہ ترحم، بہر ترنم ایک بہار افروز تبسم
برسوں سے ہے جان تکلم خلق کی عظمت نام محمد ﷺ

(۱۵)

تاجدارِ انبیاء اے رحمۃ للعالمین!
تیری رحمت کے ہیں طالب سینکڑوں اندوہ گیں

میہمانِ لا مکاں محبوب رب دو جہاں
فرشِ خاکی سے گیا تو برسر عرش بریں

تیرے پیغامات سے روشن ہے ساری کائنات
تیرے پیغامات کا ہر حرف ہے پہلو نشیں

اے کرم فرمائے عالم ہم پہ بھی لطف و کرم
زندگی کی مشکلیں ہم سے تو حل ہوتی نہیں

جذبہ ایمان سے خالی ہیں کردار عمل
دل کی بستی میں نہیں ہے جلوہ حسن یقیں

طالبان التفات خاص کا یہ حال ہے
ہر نظر ظلمت زدہ ہے ہر نفس غم آفریں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زندگی پامال ہے برباد ہے ویران ہے
اے فروغ زندگی، روشن نظر، روشن جبیں
شامت اعمال نے گھیرا ہے ہم کو اس طرح
سینکڑوں آلام ہیں لبریز ہے قلب حزیں
کون پہنچا ہے ترنم لامکاں کی بزم میں
طور پر کوئی، کوئی چرخ چہارم پر کمیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیگر قابل مطالعہ کتب

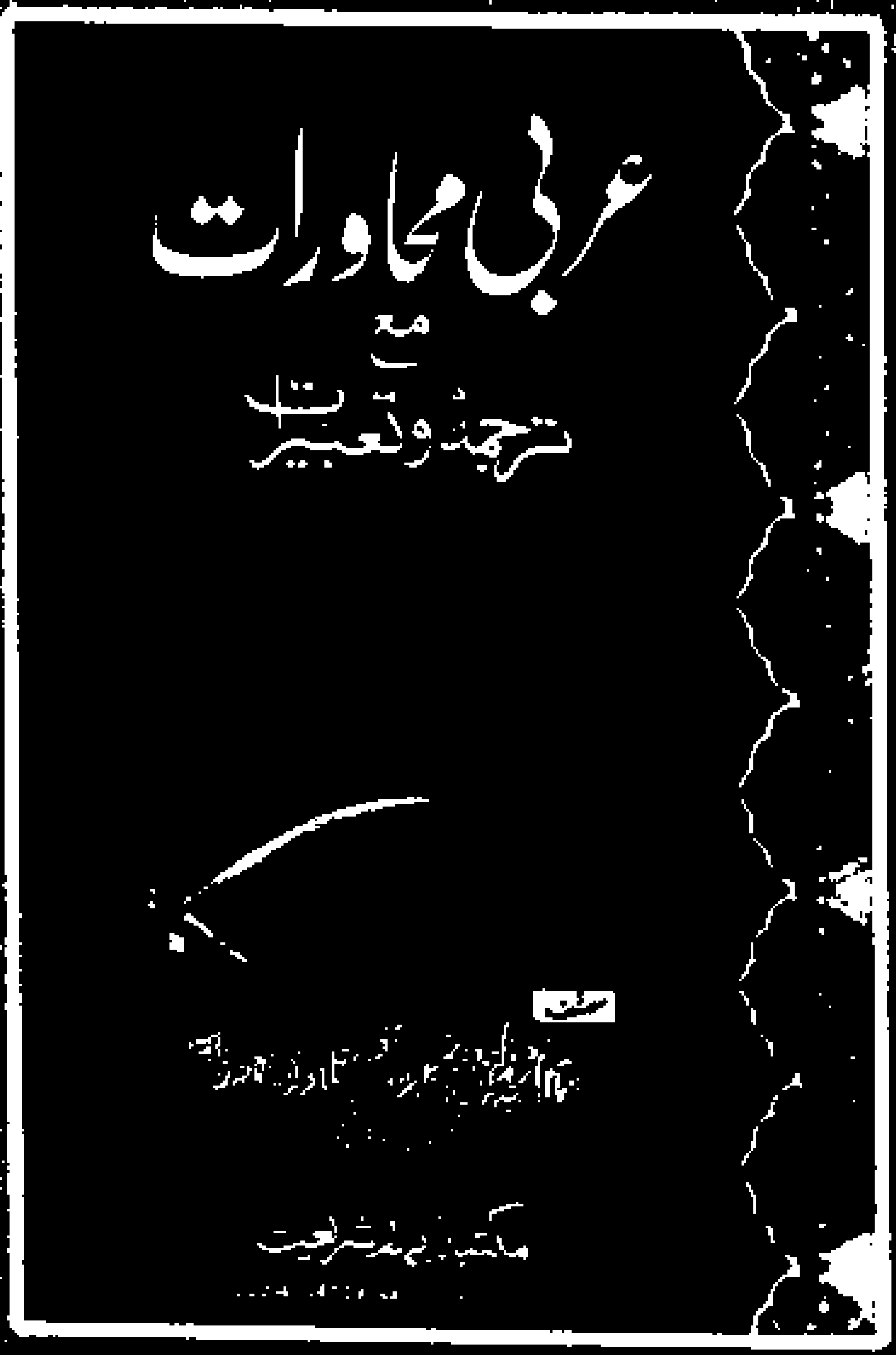

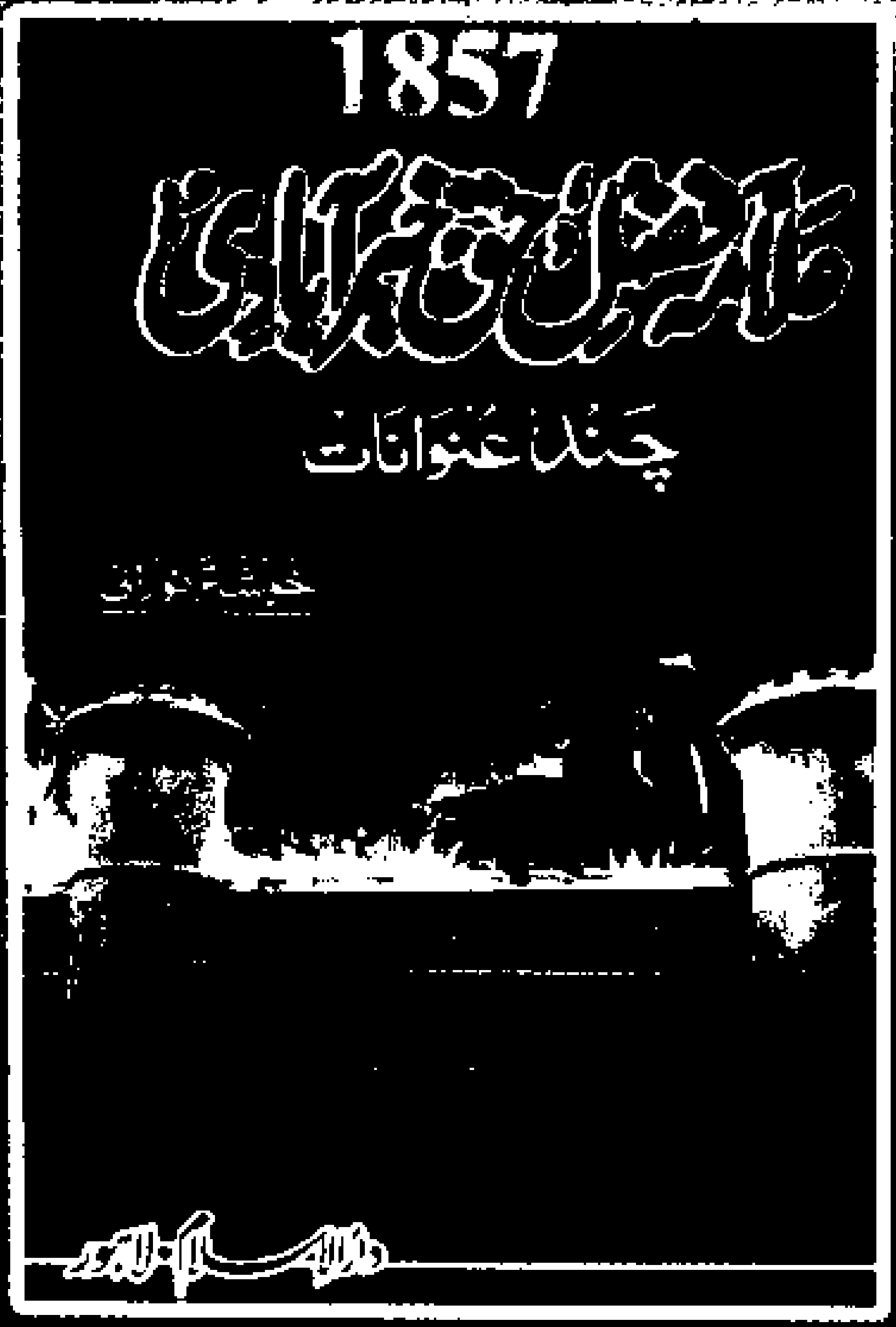

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari